مسرور

رجسٹرڈ ای۔پی نمبر ۸۶۱

REGD-E-P-No 861

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

ہفت روزہ بدر قادیان

ایڈیٹر:۔ صلاح الدین ملک ایم۔اے

اسسٹنٹ ایڈیٹر:۔ محمد حفیظ بقاپوری

شرح چندہ سالانہ چھ روپے
ممالک غیر ۷½ روپے
فی پرچہ ۰۲ ر

تواریخ اشاعت ۷۔۱۴۔۲۱۔۲۸

جلد ۴ | ۷ تبلیغ ۱۳۳۴ ہش۔ مطابق ۷ فروری ۱۹۵۵ء | نمبر ۵

ہندو پاکستان میں خوشگوار تعلقات

لیکن

احمدی معززین کو لاہور جانے کی ممانعت

(۱)

ایک رخ۔ کہتے ہیں بہت بڑا اس ملاپ میں ہے جو لمبی جدائی کے بعد ہو۔ ہندو پاکستان کی تقسیم پر سات سال بیت گئے۔ صدیوں کے اکٹھے رہنے والے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے۔ لیکن پھر دونوں طرف کے عوام و حکمرانوں کے دلوں میں یہ شدید جذبہ موجزن ہوا کہ تلافیٔ مافات اس رنگ میں تو ہو سکتی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ رواداری برتیں۔ خوش خلقی سے پیش آئیں۔ اس سلسلہ میں ہی پاکستان کے گورنر جنرل نے یوم جمہوریت کے موقعہ پر دہلی تشریف لانا قبول کیا۔ اور باوجود کمزوریٔ صحت کے اور ڈاکٹری مخالفت کے ہوائی سفر اختیار کیا اور ڈاکٹر خان صاحب جیسے پرانے دیش سیوک کو بھی ساتھ لائے کہ جن کی یاد بھارتیوں کو ہمیشہ بے چین کرتی رہی ہے۔ بھارت کے لیڈروں سے ان کے گہرے مراسم رہے ہیں۔ اس موقعہ پر جس محبت و خلوص کے جذبات کے ساتھ گورنر جنرل پاکستان اور ان کے رفقاء کا استقبال کیا گیا اس کا اظہار وہ خود کر چکے ہیں۔ اور دونوں ممالک کے عوام اور اخبارات کا رویہ بہت ہی خوشکن مستقبل کا پتہ دیتے ہیں۔

(۲)

اس خوشکن منظر کے معاً بعد لاہور میں ہندو پاکستان کے درمیان کرکٹ ٹیسٹ میچ کی تقریب پیدا ہوئی۔ وسعت قلبی سے کام لیتے ہوئے دونوں حکومتوں نے چھ دن کے لئے لاہور کی آمد و رفت کو بھارتیوں کے لئے نہایت سہل بنا دیا۔ جس کے نتیجہ میں ہزاروں کی تعداد میں سائیکلوں۔ موٹر سائیکلوں۔ بسوں اور موٹروں پر ہندوستانی لاہور پہنچے۔ چشم فلک نے آؤ بھگت اور خوش آمدید کا وہ نظارہ دیکھا کہ جس کے لئے ہر فرد چشم براہ تھا۔ اور جو یقیناً خواب ہو چکا تھا۔ ہندو سکھوں کی خوب تواضع کی گئی۔ ان سے سگے بھائیوں کی طرح محبت کا سلوک کیا گیا۔ عوام اور حکام دونوں طرف سے ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھا گیا۔ ہر مکان ان کے لئے کھلا تھا مہمانوں کا احترام اس قدر ملحوظ رکھا گیا۔ کہ چائے مفت پان مفت۔ ٹانگے اور بس کی سواری مفت مالٹے وغیرہ پھل مفت۔ جگہ جگہ چائے کا مفت انتظام۔ یہ نظارہ قابل دید تھا۔ کہ ایک بھارتی اصرار کر رہا تھا۔ کہ میں کرایہ دوں گا۔ اور ٹانگہ بان کہہ رہا تھا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں میں ہرگز کرایہ نہ لوں گا۔ صبح سے گیارہ روپے کما چکا ہوں۔ ایک ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے ہندوستانیوں نے آپس میں بات کی۔ کہ کھانا ہم نے زیادہ کھا لیا اور رقم ہمارے پاس کم ہے تو جھٹ ایک پاکستانی نے سو سو روپیہ کے دس نوٹ دکھلائے کہ جس قدر رقم درکار ہو لے لیں۔ اور پھر اصرار کر کے ایک سو روپیہ دے دیا۔ ایک دکان سے گڑ اور چھتر روپے والی لی۔ دکاندار نے اصرار کر کے بالآخر مفت ہی دے دی اور ہندوستانی سے روپے قبول نہ کئے۔ ہزارہا بھارتیوں کا جلوس نکالا گیا۔ ان کے اعزاز میں مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ آئندہ دونوں ممالک کے درمیان ۱۹۴۷ء کے سے واقعات کا کبھی اعادہ نہ ہو۔

اخبار احمدیہ

ربوہ ۲۵ رجنوری۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تبدیلی آب و ہوا کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ اور اس عرصہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو مقامی امیر مقرر فرمایا۔ ۲۷ رجنوری کو حضور واپس تشریف لے آئے۔ ۲۶ رجنوری کی اطلاع مظہر ہے کہ حضور کو تا حال نزلہ کی شکایت ہے۔ لیکن نسبتاً آرام ہے۔ کل حضور نے علالت کے باوجود جمعہ پڑھایا اور خطبہ میں جماعت کو تحریک جدید کے وعدے جلد از جلد ارسال کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ احباب حضور کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لئے التزام سے دعائیں جاری رکھیں۔

۲۵ رجنوری۔ مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ نے مغربی افریقہ جانے والے مبلغین کرام مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر۔ مکرم صوفی محمد اسحٰق صاحب۔ مکرم قاضی مبارک احمد صاحب مکرم خلیل احمد صاحب اختر اور مکرم چوہدری محمود احمد صاحب کے اعزاز میں عصرانہ دیا۔ ۲۷ رجنوری کو یہ وفد خیبر ایکسپریس سے کراچی روانہ ہو گیا۔ بزرگان اور احباب ربوہ نے ربوے سٹیشن پر انہیں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس نے اجتماعی دعا کرائی۔ مکرم مبشر صاحب مع اہل و عیال تیسری بار گولڈ کوسٹ تشریف لے جا رہے ہیں۔ اسی طرح مکرم صوفی صاحب بھی اس سے قبل کئی سال تک افریقہ کے مختلف علاقوں میں فریضۂ تبلیغ ادا کرتے رہے ہیں۔ مکرم اختر صاحب پہلی بار جا رہے ہیں اور لائبیریا میں پہلا تبلیغی مشن قائم کریں گے۔

۲۸ رجنوری۔ جماعت کراچی نے ان مبلغین کے اعزاز میں ایک دعوت عصرانہ دی۔ مکرم مولوی محمد عبد الکریم صاحب جو سیرالیون میں کئی سال تک تبلیغ اسلام کا فریضہ سر انجام دینے کے بعد واپس آئے ہیں بتایا کہ سیرالیون کے بیس لاکھ باشندوں میں سے نصف مسلمان ہیں۔ وہاں سے ماہوار رسالہ "البشریٰ" کے علاوہ ایک بلیٹن بھی شائع کیا جاتا ہے۔ نیز گولڈ کوسٹ کی دونوں زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کرنے کی بھی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ احباب ان تمام مبلغین کے بخیر و عافیت

از مکرم گیانی واحد حسین صاحب مبلغ جماعت احمدیہ

شادیاں۔ سری کرشن مہاراج کے سوانح حیات لکھنے میں جس قدر بے رحمی سے کام لیا گیا ہے وہ بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ چنانچہ کتاب "پریم ساگر" مصنفہ للو لال صاحب اور کتاب "سکھ ساگر" مصنفہ بابو لچھمن لال جو سری مد بھاگوت کا ترجمہ ہے۔ میں آپ کی رانیاں سولہ ہزار ایک سو لکھی ہیں۔ اور آٹھ پٹ رانیاں اس کے علاوہ ہیں۔ ان آٹھ پٹ رانیوں میں ایک رانی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھی۔ اس کا نام "متر وندا" تھا۔ لکھا ہے کہ جب سری کرشن جی مہاراج اس کو رتھ پر سوار کر کے لے جا رہے تھے تو اس وقت گاؤں کے باشندے ہنس ہنس کر تالیاں بجا بجا کر گالیاں دیتے ہوئے یوں کہنے لگے۔

پھوپھی سُتا کو بیاہنے آیو
یہ تم کرشن بھلو جس پایو
(پریم ساگر ادھیائے ۵۷ صفحہ ۱۶۲)

اور آپ کی اولاد کی بابت یوں لکھا ہے:۔

ایک لاکھ اکسٹھ سہس اسی بالک بیر
بھئے کرشن کے پتر یہ گنا بل روپ اپار

یعنی کرشن جی مہاراج کے ایک لاکھ اکسٹھ ہزار اسی بیٹے ایک دفعہ ہوئے وغیرہ وغیرہ۔
(پریم ساگر ادھیائے ۶۳ صفحہ ۲۰۶)

اس جگہ سری کرشن جی کی بابت مبالغہ آمیزی سے اس قدر کام لیا گیا ہے کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر ناممکن ہے۔ لیکن کرشن جی کے بارے میں تو بہت ہی غلط بیانی کی گئی ہے۔ ہاں براہمنوں میں کثرت ازدواج کا رواج ضرور تھا۔ جیسا کہ راجہ دسرتھ کی تین بیویوں کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔ اور راجہ بالی نے بموجب ہدایت رام چندر جی تارا سے کہ روشا دی کر کے اسے اپنی رانی بنایا۔ یاگولک رشی کی دو بیویاں تھیں ایک کا نام میترئی اور دوسری کا نام کاتیائنی تھا۔ راجہ پانڈو جو کہ چندر بنسی خاندان میں آفتاب تھا۔ اس کی دو رانیاں تھیں ایک کنتی اور دوسری مادری۔ یدھشٹر۔ بھیم اور ارجن تین بیٹے اور مادری سے نکل اور سہدیو پیدا ہوئے۔ ان پانچ کو قدیمی تواریخ میں پانڈو کہتے ہیں (کلیات آریہ مسافر صفحہ ۱۰۶ مصنفہ پنڈت لیکھرام) اسی طرح اگر بھگوان سری کرشن جی نے کئی عورتوں سے شادی کر لی ہو تو بعید نہیں بلکہ یہی قدیم رواج کے مطابق ہے۔ سولہ ہزار ایک سو رانیاں اور ان کی اولاد کا لاکھوں تک ہونا دور از قیاس اور مبالغہ آمیزی ہے۔

غریب پروری۔ براہمن خاندان میں سے ایک لڑکا جس کا نام سداماں تھا۔ اس نے چند روز سری کرشن جی کے ساتھ

(باقی صفحہ ۱ پر)

ملک صلاح الدین پرنٹر و پبلشر نے ...آرٹ پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا

(۱) معارف القرآن

تم کیسے عمل کرتے ہو؟

تربیت اولاد سے تغافل کا نتیجہ!!

ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (یونس ۱۵)

ترجمہ:- پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں (ان کا) جانشین بنایا۔ تاکہ ہم دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو

تشریح:- عمل دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ عمل جو انسان کو نعمت کا مستحق بناتے ہیں۔ اور دوسرے وہ عمل جو نعمت کے ملنے کے بعد اس کو قائم رکھنے کے لئے کرنے ضروری ہوتے ہیں۔ کئی طالب علم طالب علمی میں ہوشیار ہوتے ہیں۔ مگر جب زندگی کی کشمکشوں میں ہوتے ہیں۔ تو بالکل نکمے ثابت ہوتے ہیں۔ یہی قوموں کا حال ہوتا ہے۔ بعض قومیں شان و شوکت کے ملنے سے پہلے بہت اچھا نمونہ دکھاتی ہیں مگر جب حکومت مل جاتی ہے تو نیکی کے معیار کو قائم رکھنا اُن کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔

دوسرے اس جملہ کو اس لئے بھی بڑھایا گیا ہے۔ کہ انسانی اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں ایک خود عمل صالح اور ایک وہ عمل جو عمل صالح کو قائم رکھے۔ پس اس جملہ کو بڑھانے سے یہ بھی مطلب ہے کہ تمہاری ذاتی نیکیوں کی وجہ سے ہم نے تم کو خلفاء فی الارض بنایا تھا۔ اس کے بعد ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے۔ کہ تم ان اعمال کو کس طرح بجا لاتے ہو جو نیکی کے محافظ ہوتے ہیں۔

قوموں کی تباہی کا باعث ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ ترقی کے لئے تو کوشش کرتی ہیں۔ مگر اس کو قائم رکھنے کے لئے کوشش نہیں کرتیں۔ اپنے تقوےٰ کا خیال رکھتی ہیں۔ مگر اولاد کے اخلاق کی طرف پوری توجہ نہیں کرتیں۔

اگر مسلمان اس بہترین نکتہ کا خیال رکھتے۔ تو آج ان کا یہ حال نہ ہوتا۔ انہوں نے ایک وقت اپنی اولادوں کی تربیت کے فرض سے کوتاہی کی۔ اور ان کی ناجائز محبت ان پر غالب آگئی۔ یا انہوں نے شادیوں میں احتیاط سے کام نہ لیا اور ایسی عورتوں کو اپنے گھروں میں لائے جو اسلامی تربیت کی قابلیت نہیں رکھتی تھیں اور وہ عظیم الشان عمارت جو صحابۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تیار ہوئی تھی اپنی بنیادوں پر گر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر آگے ہی کو وہ قوم جسے خدا تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کے لئے چنا ہے اس امر کا خیال رکھے تو انشاء اللہ دنیا میں ایک زبردست تغیر پیدا ہو سکتا ہے۔

(۲) کلام سید الانامؐ

کیا کیا ذمہ داری؟

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس فرض کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا

کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہ

تم میں سے ہر ایک شخص علاوہ اپنی ذات کی ذمہ داری کے بعض دوسرے وجودوں کا بھی ذمہ دار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے صرف یہی نہیں پوچھے گا۔ کہ تم نے کیا عمل کئے۔ بلکہ یہ بھی پوچھے گا کہ جن کی ذمہ داری تمہارے سر پر تھی انہیں تم نے کس قابل بنایا پس خالی اپنے نفس کی طہارت انسان کے کام نہیں آسکتی۔

(تفسیر کبیر)

(۳) ملفوظات امام الزمانؑ

روحانی روشنی کے سامان

"میں کسی قدر لکھ آیا ہوں کہ اسلام کے ضعف اور غربت اور تنہائی کے وقت میں خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کرکے بھیجا ہے تا میں ایسے وقت میں جو اکثر لوگ عقل کی بد استعمالی کی وجہ سے ضلالت کی راہیں پھیلا رہے ہیں۔ اور روحانی امور سے رشتہ مناسبت بالکل کھو بیٹھے ہیں اسلامی تعلیم کی روشنی ظاہر کروں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اسلام اپنا اصل رنگ نکال لائیگا اور اپنا وہ کمال ظاہر کرے گا جس کی طرف آیت لیظہرہ علی الدین کلہ میں اشارہ ہے سنت اللہ اسی طرح واقع ہے کہ خزائن معارف و دقائق اسی قدر ظاہر کئے جاتے ہیں جس قدر ان کی ضرورت پیش آتی ہے سو یہ زمانہ ایک ایسا زمانہ ہے جو اس نے ہزارہا عقلی مفاسد کو ترقی دیکر اور بیشمار معقولی شبہات کو منصۂ ظہور لاکر بالطبع اس بات کا تقاضا کیا ہے کہ ان اوہام و اعتراضات کے رفع دفع کیلئے فرقانی حقائق و معارف کا خزانہ کھولا جائے۔ بیشک یہ بات یقینی طور پر ماننی پڑیگی کہ جس قدر حق کے مقابل پر اب معقول پسندوں کے دلوں میں اوہام باطلہ پیدا ہوئے ہیں۔ اور عقلی اعتراضات کا ایک طوفان برپا ہوا ہے اسکی نظیر کسی زمانہ میں پہلے زمانوں میں نہیں پائی جاتی لہذا ابتداء سے اس امر کو بھی کہ ان اعتراضات کا براہین شافیہ سے بحوالہ آیات قرآن مجید بکلی استیصال کرکے تمام ادیان باطلہ پر فوقیت اسلام ظاہر کردیجائے اسی زمانہ پر چھوڑا گیا تھا کیونکہ پیش از ظہور مفاسد ان مفاسد کی اصلاح کا تذکرہ محض بے محل تھا۔ اسی وجہ سے حکیم مطلق نے ان حقائق اور معارف کو اپنی کلام پاک میں مخفی رکھا اور کسی پر ظاہر نہ کیا جب تک کہ ان کے اظہار کا وقت نہ آیا ہاں اس وقت کی اس نے پہلے سے اپنی کتاب عزیز میں خبر دے رکھی تھی جو آیت ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ میں صاف اور کھلے کھلے طور پر مرقوم ہے۔ سو اب وہی وقت ہے اور ہر ایک شخص روحانی روشنی کا محتاج ہو رہا ہے سو خدا تعالیٰ نے اس روشنی کو دے کر ایک شخص کو دنیا میں بھیجا وہ کون ہے؟ یہی جو بول رہا ہے!!

(از ازالہ اوہام ص۲۱۳ ایڈیشن سوم)

ہندو پاکستان کرکٹ میچ کا خوشکن منظر!

لاہور میں چند گھڑیاں

از جناب پنڈت ملک راج صاحب جنرل سیکرٹری کانگرس کمیٹی قادیان

جذبات خلوص و محبت کو کسی قوم، کسی ملک یا خطے تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں زنجیر نہیں پہنائی جاسکتی۔ انہیں تقسیم نہیں کیا جاسکتا ان پر پابندیاں نہیں لگائی جاسکتیں۔ ان پر تعزیریں نہیں بٹھائی جاسکتیں ساڑھے سات برس بعد ایک خواب حقیقت بن کر سامنے آرہا ہے۔ پھول پھر گلشن کی طرف رجوع کر رہا ہے۔ خوشبو پھر بوستان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پردیسی اپنے دیس کی زیارت کے لئے آرہا ہے۔ ۱۹ر فروری ۱۹۵۵ء کا کرکٹ میچ کس قدر مبارک اور نیک فال ہے۔ ہمارے تعلقات محبت و مودت کی جڑیں احمقانہ اور خود غرضانہ وقتی بے راہ رویوں نے بظاہر منقطع کرنے کی ناکام کوشش کی لیکن بالآخر وقت کے مرہم اور دلوں کے صحیح احساس نے پشیمانی اور ندامت کے آنسو بہائے جس رشتہ اخوت و رواداری کو ہماری غلط روی نے بظاہر توڑ دیا تھا۔ ہماری ندامت کے احساس نے اسے اور پختہ اور استوار کر دیا۔ یہ کرکٹ ٹیسٹ میچ کیا ہے۔ آج ہندوستان پاکستان سے بغلگیر ہو رہا ہے اور مدتوں کے بچھڑے ہوئے ساتھی اپنی موہوم تمناؤں کو پورا کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ ہندوستانی مہمان اپنی بھارت سرکار اور جناب راجہ غضنفر علی خاں صاحب کی مساعی جمیلہ کے ممنون اور ہندو پاکستان کے افسران کسٹم و پولیس کی سہولتوں کے مشکور ہوتے ہوئے جوق در جوق ہزاروں کی تعداد میں پیدل۔ سائیکلوں اور کاروں پر بارڈر پار کرتے ہوئے خوش و خرم لاہور میں داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ خوشی و مسرت کی جو لہران کے چہروں اور باتوں سے ظاہر ہو رہی ہے اس سے زیادہ مسرت و بالیدگی خوش آمدید کرنے والے پاکستانی میزبانوں کے انداز سے نمایاں ہے ہماری آنکھوں نے دیکھا جی بھر کر دیکھا کہ پرانے لاہور کی سڑکوں گلی کوچوں میں ہندوستانی مہمان بے تکلفی سے پیدل اور سائیکلوں پر آجا رہے ہیں۔ اور اُن کا یہ آزادانہ گھومنا شہر کے اندر ہی محدود نہیں بلکہ شمن آباد اور گلبرگ کالونیز کی نئی آبادیوں اور شاہدرہ کے پرانے مقابر کی سیر میں بھی جوابر کے شریک ہیں۔ بیسیوں نوجوان دریائے راوی میں کشتی چلا کر اپنے شوق کو پورا کر رہے ہیں۔

ہندوستان سے تشریف لانے والے ہندو اور سکھ دوستوں کی سوسائٹی کا ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے طبقہ کے لوگ اپنی اپنی ہمت اور بساط کے مطابق خوش آمدید کہتے اور ان کی عملی خدمت بجا لانے کے موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ اور اس تلاش میں ہیں۔ کہ انہیں کسی نہ کسی رنگ میں مہمانوں کی مہمان نوازی کی سعادت نصیب ہو۔ ایک تانگہ والا بلا معاوضہ ہندوستانی مہمانوں کو سیر کرانے میں خوش ہے۔ ایک پھل والا چند مالٹے پیش کرنے میں مسرت محسوس کرتا ہے۔ ایک ہوٹل والا مہمان کے قیام و رہائش کے انتظام کو فخر سمجھتا ہے ایک جہاندیدہ مالک مکان مہمان کو اس کے اپنے مکان میں ٹھہرانے اور اس کی خاطر تواضع کرنے پر مصر ہے اور اسی کو اپنی عزت افزائی تصور کرتا ہے بیسیوں افراد نے اپنی کوٹھیاں مہمانوں کے لئے وقف کر دیں۔ اور بعض مقامات پر ایک ایک آدمی کے ہاں پچاس پچاس مہمانوں کا انتظام ہے۔ اسی طرح پولیس اور انتظامیہ کے دیگر افسران اس تلاش میں کہ مہمانوں کے آرام کیلئے جو کچھ وہ کر سکتے ہیں اس میں کوتاہی نہ ہو منتظم ہندوستان سے آنیوالے جن افراد کا کوئی اور انتظام نہیں پاتے ان کے لئے منٹو پارک کے سامنے ایک مشہور تاریخی گوردوارہ ڈیرہ صاحب کے قریب حکومت کی طرف سے سینکڑوں خیمے لگوائے گئے ہیں۔ جہاں مہمانوں کی رہائش و آرام کا انتظام سرکاری طور پر موجود ہے۔

لاہور میں مجھے متعدد سکھ اور ہندو دوستوں سے ملنے اور ان کے تاثرات دریافت کرنے کا اتفاق ہوا۔ جنہوں نے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے جذبات کا اپنے اپنے رنگ میں اظہار کیا جن کا لب لباب یہ تھا کہ پاکستان میں ان کی غیر متوقع خوش آمدید اور مہمان نوازی اور دوستانہ رواداری کا سلوک جو وہ محسوس کرتے ہیں اسکا زبان سے اظہار ناممکن ہے۔ ع آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں۔

تشکر و امتنان کے ساتھ سب میں یہ جذبہ شدت کے ساتھ پایا جاتا تھا کہ کاش کوئی ایسا موقع ان کو میسر آئے جس میں کہ وہ بھی اہل لاہور کی طرح ان کے حسن سلوک اور حسن اخلاق کا بدلہ ہندوستان میں پاکستانی مہمانوں کے آنے پر ایک حد تک اتار سکیں۔ پاکستانی میزبانوں نے نہ صرف یہ کہ تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بلکہ واپسی پر مہمانوں کی جھولیوں کو پاکستانی تحفوں سے بھی بھر دیا۔ چنانچہ میرے مشاہدہ میں آیا (باقی صفحہ پر)

خطبہ جمعہ

انسانی زندگی کا اصل مقصود دنیوی ترقیات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء بمقام ربوہ۔ خطبہ نویس۔ مولوی سلطان احمد صاحب پیرکوٹی

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ اس سال کا

جلسہ سالانہ خیریت سے گزر گیا ہے

آنے والے آئے اور کچھ دن یہاں گزار کے چلے بھی گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کتنے خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی نظر میں آئے۔ اور کتنے خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی نظر میں باوجود جسمانی طور پر یہاں آنے کے پھر بھی نہیں آئے۔ جب سے دنیا کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اور جب سے آدمؑ کی اولاد دنیا میں پھیلی ہے اس وقت سے ایک بات انسان میں نظر آتی ہے۔ کہ اس کی حالت اپنے

ماحول کے اثر کے نیچے

بدلتی رہتی ہے۔ دلیلیں وہی ہوتی ہیں۔ براہین وہی ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے نتائج کبھی اور رنگ میں نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت جو آدمؑ کے زمانہ میں تھے وہی اب بھی ہیں۔ آدمؑ کے وقت میں جو انبیاء کی سچائی کے ثبوت تھے۔ وہی ثبوت اب بھی ہیں۔ آدمؑ کے زمانہ میں بعث بعد الموت کے جو دلائل تھے۔ وہی دلائل اب بھی ہیں۔ خدا تعالیٰ بھی نہیں بدلا۔ رسالت بھی نہیں بدلی۔ مابعد الموت بعثت کے متعلق بھی

کوئی نئی شکل

پیدا نہیں ہوئی۔ مگر باوجود اس کے دنیا پر یہ دور آتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کہ کبھی لوگ ماننے لگ جاتے ہیں۔ اور کبھی منہ پھیر لیتے ہیں۔ کبھی انہیں کسی رسول پر ایمان لانے کی توفیق ملتی ہے اور کبھی اس پر ایمان لانے کی توفیق نہیں ملتی۔ کبھی انہیں موت کے بعد کی زندگی پر یقین ہوتا ہے۔ اور کبھی نہیں ہوتا۔ اگر ان کے دلائل اور براہین بدلتے تو ہم کہتے کہ

دلائل اور براہین کے بدلنے سے

ان کی حالت بدل گئی ہے۔ لیکن دلائل وہی نظر آتے ہیں جو پہلے تھے۔ ہاں کسی زمانہ میں کسی امر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے بعض نشانات ظاہر ہوئے۔ تو یہ اور بات ہے۔ آدمؑ کے زمانہ سے زمانہ کے حالات کے مطابق نشانات بدلتے رہے ہیں۔ اگر کسی وقت کسی نبی کے لئے بیٹے کی پیدائش کی یا اپنی جماعت کی ہجرت کی خبر دی ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلالت کرنے والا ایک نشان بن گیا تو یہ نشان بہر حال ایک نشان ہی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی توحید کے جو دلائل پہلے تھے وہی اب بھی ہیں۔

فرق صرف یہ ہے

کہ کسی نے زبان کے محاورہ کے مطابق یا اس زمانہ کے لوگوں کے خیالات کے مطابق انہیں کسی اور رنگ میں بیان کر دیا۔ لیکن مغز تقریر یہ ہے کہ خدا ایک ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اب ایک ہی قسم کے دلائل کے ہوتے ہوئے جو زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ تو اس کے صاف معنے یہ ہیں۔ کہ انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ اور جب ماحول یا بیرونی تاثیر ہوتی ہے۔ تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ کونسا ماحول ہوتا ہے۔ جس سے انسان متاثر ہوتا ہے۔ اگر کوئی نبی دنیا میں آتا ہے۔ اور ایک نئی جماعت دنیا میں پیدا کر جاتا ہے وہ لوگوں میں خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین پیدا کر جاتا ہے یا البعث بعد الموت پر یقین پیدا کر جاتا ہے۔ اور ساری قوم ایک رنگ میں رنگین ہو جاتی ہے۔ تو پھر وہ کونسا ماحول ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ایمانوں میں کمزوری پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر یہ ہوتا کہ وہ ایک ملک میں ہوتا۔ تو اور حالت ہوتی اور دوسرے ملک میں ہوتا۔ تو اور حالت ہوتی۔ تو ہم کہتے ملکی یا قومی ماحول بدل گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی ماحول تھا۔ وہی آپ کے صحابہؓ کو ملا۔ پھر تابعین ہوئے۔ اور پھر تبع تابعین ہوئے۔ مگر جو یقین صحابہؓ کو حاصل تھا۔ وہ تابعین اور تبع تابعین کو حاصل نہ تھا۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ ماحول جو بدلتا ہے۔ وہ زیادہ تر اقتصادی بنا پر ہوتا ہے۔ ہمیں یہ چیز ہر نبی کے زمانہ میں نظر آتی ہے۔ کہ اس کی جماعت میں آہستہ آہستہ تمدنی اور مالی ترقی پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر یہ چیز ہمیں نظر آتی ہے۔ کہ

ظاہری اموال اور دولت

کی ترقی کے ساتھ ساتھ ایمان کم ہو جاتا ہے۔ جب تک اموال کی زیادتی نہیں ہوتی اس وقت تک ایمان باقی رہتا ہے۔ اور جوں جوں اور مالی ترقی آتی جاتی ہے۔ ایمان کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ یا تو ہم یہ کہیں کہ جب کسی نبی کے اردگرد غربا اکٹھے ہوتے ہیں۔ تو وہ اس خیال سے جمع ہوتے ہیں۔ کہ اس کے ماننے سے انہیں دنیا ملے گی۔ جیسے

ہندوؤں اور یہودیوں کا عقیدہ

ہے کہ نبی کا سب سے بڑا کام اور پیغام یہی ہوتا ہے کہ اس کے ماننے سے لوگوں کو دنیا ملتی ہے یہودیوں کی کتابوں میں مرنے کے بعد کی زندگی کا بہت کم ذکر ہے۔ یہی حال ہندو کتابوں کا ہے ہندو سمجھتے ہیں کہ

نبی کے آنے کے نتائج

دنیوی ترقی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جب ان کی کتابوں میں یہ چیز موجود ہوتی ہے۔ کہ جب بھی کوئی نبی دنیا میں آتا ہے۔ تو اس کے ماننے سے لوگوں کو دنیا ملتی ہے۔ تو وہ اسے مانتے ہی اس لئے ہیں۔ لیکن بعض قومیں ایسی بھی ہیں۔ جن میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ مثلاً عیسائی ہیں ان کی کتابوں میں مابعد الموت زندگی پر یہود سے زیادہ زور ہے۔ زرتشتیوں میں بھی اس پر یہودیوں سے زیادہ زور ہے۔ اسلام کے زمانہ میں انسانوں کی کمزوری دیکھ کر خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے یہ تدبیر کی کہ قرآن کریم میں

اگلے جہان کی ترقی

کے الفاظ سے اسی دنیا کی ترقی کی خبر دی گئی۔ اور اسی لئے عیسائیوں نے قرآن کریم پر یہ الزام لگایا ہے کہ قرآن کریم پر کوئی نشان نہیں پایا جاتا۔ درحقیقت قرآن کریم میں جو

دنیوی فتوحات کا ذکر

آتا ہے۔ وہ بھی اگلے جہان کے انعامات کے ذکر میں آتا ہے۔ یعنے مراد اس سے فلسطین اور مصر کی فتوحات ہوتی ہیں۔ لیکن الفاظ اس قسم کے استعمال کئے جاتے ہیں۔ جو اگلے جہان پر دلالت کرتے ہیں ایسا کرنے سے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ہدایت دینا مقصود رکھا ہے کہ

انسانی زندگی کا اصل مقصود

اگلا جہان ہے۔ لیکن بعض لوگ اس زور میں یہ کہہ گئے۔ کہ انہیں دنیوی ترقیات مل جائیں۔ صحابہؓ کے بعد جو جماعت آئی ان کا بڑا کام یہی نظر آتا ہے۔ کہ انہیں کوئی دنیوی فتح مل جائے۔ یا کرنیلی اور جرنیلی مل جائے پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ آیا۔ آپ نے بھی قرآنی اصطلاح میں یہ اقرار لیا۔ کہ میں

دین کو دنیا پر مقدم

کروں گا۔ اس پر لوگ آپ کی بیعت کرتے رہے لیکن آپ کی جماعت کا بھی وہی حال ہے۔ جو پہلے انبیاء کی جماعتوں کا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ سب باتیں ملتی جاتی ہیں۔ جن پر ابتداء میں زور دیا جاتا تھا۔ ابتداء میں

استغفار اور ذکر الٰہی اور عبادت

پر زور تھا۔ لیکن اب اس بات کو بڑا سمجھا جاتا ہے۔ کہ فلاں جرنیل بن گیا ہے۔ فلاں کرنیل بن گیا ہے۔ فلاں حکومت کا سکرٹری بن گیا ہے۔ جو شخص جرنیل یا کرنیل بن جاتا ہے جماعت سمجھتی ہے کہ وہی زیادہ معزز ہے۔ اور جو شخص عبادت گزار ہوتا ہے۔ اس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص دماغی طور پر کمزور تھا۔ اس لئے کوئی بڑا عہدہ حاصل نہیں کر سکا۔ اب یہ اپنا دل خوش کرنے کے لئے عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ غرض جوں جوں جماعت کو دنیوی ترقیات مل رہی ہیں دین کی عظمت کم ہوتی جاتی ہے۔ ہم یہ دعا بھی نہیں کر سکتے۔ کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو دنیوی ترقیات نہ دے۔ کیونکہ یہی کا جماعت سے وعدہ ہے۔ کہ وہ اسے دنیوی ترقیات بھی دے گا۔ لیکن

جس چیز کا وعدہ ہے

وہ یہ ہے کہ تم یہ دنیوی ترقیات خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے لو۔ دنیا کے ہاتھ سے نہ لو۔ لیکن میں یہ بات دیکھتا ہوں کہ اس زمانہ میں جب دنیا کی زندگی پر ساتواں ہزار سال جا رہا ہے یا سائنسدانوں کے اندازہ کے مطابق اس پر چھ یا سات ارب سال جا رہا ہے۔ دنیا اسی مقام پر کھڑی ہے جس پر پہلے تھی۔ چھ ہزار سال یا چھ ارب یا سات ارب سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ آدمی ایک کام ایک گھنٹہ میں سیکھ جاتا ہے۔ ایک کام چھ ہفتہ میں سیکھتا ہے۔ ایک کام چھ ماہ میں سیکھتا ہے ایک کام چھ سال میں سیکھتا ہے۔ لیکن دنیا میں ایسی کوئی پڑھائی نہیں جو چھ ہزار سال تک چلی جائے۔ عام طور پر ایم اے

تعلیم کا آخری درجہ

ہے اور اسے ہمارے ہاں سولھویں جماعت کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا ایم۔ اے میں تعلیم حاصل کر رہا ہو۔ تو اس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ سولہویں جماعت میں پڑھتا ہے

گویا ایک شخص ایم اے بھی جو عام طور پر تعلیم کا آخری درجہ ہے سولہ سال میں پاس کرلیتا ہے۔ لیکن بنی نوع انسان نے یہ سبق چھ ہزار سال میں بھی حاصل نہیں کیا۔ حالانکہ اس پر غور کرنا چاہیئے۔ اور اس بات کو معلوم کرنا چاہیئے کہ اس بیماری کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے۔ دنیا بڑی بڑی ایجادوں میں لگی ہوئی ہے۔ ڈاکٹروں نے بڑے بڑے تجربات کے بعد سلفونامائیڈ، پنسلین، کلورومائسین اور اسی قسم کی دوائیں ایجاد کی ہیں۔ اسی طرح ہر فن کے لوگ اپنے اپنے فن میں نئی ایجادیں کرنے میں مشغول ہیں۔ روحانی لوگوں کو بھی چاہیئے کہ وہ

اس بیماری کی کنہ کو

معلوم کریں اور اسے پکڑنے کی کوشش کریں۔ ہوسکتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی حرکات سے خیالات بدل جاتے ہوں جیسے ریل کے کانٹے بدلتے ہیں۔ ریل یکدم نہیں کٹ جاتی بلکہ آہستہ آہستہ پکڑ کاٹتی ہے۔ اور یہ چھوٹے چھوٹے کانٹے ایک تغیر پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر دنیوی لوگوں نے اس قسم کی ایجادیں کی ہوئی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ مذہبی لوگ اپنے آپ کو اس طور پر نہ لگائیں کہ وہ انسانی دماغ کے کانٹے کو معلوم کریں۔ ماں کے بعد نوجوانوں کو تحریک کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس رنگ میں ڈھالیں اور والدین کو تحریک کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اس طرح تربیت کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک صوفی کا یہ قول بہت پسند ہے کہ

دست در کار دل بایار

یعنی اصل حقیقت یہی ہے کہ انسان دنیا کے کام بھی کرے اور خدا تعالیٰ کو بھی یاد رکھے۔ لیکن یہاں یہ حال ہے کہ دست در کار ہوا تو دل یار سے جدا ہوگیا۔ دنیا کے نزدیک یہ چیز چاہے کتنی اچھی ہو۔ دین کے لحاظ سے یہ چیز اچھی نہیں۔ پرانے لوگوں میں سے بعض نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ دست در کار نہیں ہونا چاہیئے۔ اس وجہ سے انہوں نے اپنی زندگی نہایت ذلیل بنالیا اور بعض نے یہ سمجھ لیا کہ دل بایار نہیں ہونا چاہیئے۔ صرف دست در کار ہونا کافی ہے پس دنیا میں دو کیمپ بن گئے۔ جس طرح اس وقت سیاسی لحاظ سے دو کیمپ ہیں۔ ایسٹرن اور ویسٹرن اسی طرح مذہبی لحاظ سے بھی دو کیمپ ہیں۔ ایک کیمپ والے دین کو بیکار سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے کیمپ والے دنیا کو بیکار سمجھتے ہیں۔ حالانکہ صداقت ان کے درمیان درمیان تھی

صداقت یہ تھی

کہ دین کے ساتھ ساتھ دنیا بھی کمائی جائے۔ دنیا سے بالکل منہ نہ موڑ لیا جائے۔ لیکن ہوا یہ کہ ایک فریق نے خالص دین لے لیا اور انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ اگر دنیا میں خالص دین ہوتا تو خدا تعالیٰ یہ کیوں فرماتا کہ من استطاع الیہ سبیلا۔ کہ جو شخص استطاعت رکھے وہ حج کرے پھر زکوٰۃ کے متعلق کیوں فرمایا کہ جس شخص کے پاس اس قدر رقم ہو وہ زکوٰۃ دے پھر یہ کیوں کہا کہ اگر تمہارے پاس مال ہو تو تم جہاد اور غریبوں کی ترقی کے لئے خرچ کرو۔ حاصل خدا تعالیٰ نے

اس قسم کے احکام

دے کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تم دین کے ساتھ ساتھ اپنے پاس مال بھی رکھو۔ پھر اگر خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ صرف دین لیا جائے۔ دنیا سے منہ موڑ لیا جائے تو وہ یہ کیوں فرماتا کہ اگر تم نے عورتوں کو ڈھیروں ڈھیر سونا بھی دیا ہو تو ان سے واپس نہ لو۔ اگر مال اپنے پاس رکھنا ہی نہیں تو دینا کہاں سے ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے لوگوں کے لئے نمونہ کے طور پر پیدا کیا ہوتا ہے۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سنا ہے کہ کسی نے

ایک بزرگ سے سوال کیا

کہ کتنے روپوں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے لئے یہ مسئلہ ہے کہ تم چالیس روپیہ میں سے ایک روپیہ زکوٰۃ دو۔ اس نے کہا "تمہارے لئے" کا کیا مطلب ہے۔ کیا زکوٰۃ کا مسئلہ بدلتا رہتا ہے انہوں نے کہا ہاں تمہارے پاس چالیس روپے ہوں تو ان میں سے ایک روپیہ زکوٰۃ دینا تمہارے لئے ضروری ہے۔ لیکن اگر میرے پاس چالیس روپے ہوں تو مجھ پر اکتالیس روپے دینے لازم ہیں۔ کیونکہ تمہارا مقام ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم کماؤ اور کھاؤ۔ لیکن مجھے وہ مقام دیا ہے کہ میرے اخراجات کا وہ آپ کفیل ہے۔ اگر بیوقوفی سے میں چالیس روپے جمع کرلوں تو میں وہ چالیس روپے بھی دوں گا اور ایک روپیہ جرمانہ بھی دوں گا۔ غرض بعض لوگوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ صرف دین کی طرف اپنی توجہ رکھیں۔ لیکن باقی سب

دنیا کا یہی مقام ہے

کہ وہ دنیا کمائیں اور اپنے وقت کا کچھ حصہ مناسب نسبت کے ساتھ عبادت اور دین کے کاموں میں بھی لگائیں۔ وہ ذکر الٰہی کریں۔ وظائف کریں۔ تہجد پڑھیں۔ استغفار اور دعاؤں سے کام لیں۔ پس جماعت کو چاہیئے کہ وہ ان باتوں کی طرف بھی توجہ رکھے۔ ابھی وہ زمانہ ہے۔ جبکہ ہماری باگیں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ ایک وقت تک جماعت کی باگیں اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب اسے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ جب تک

ہماری جماعت کی باگیں

خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس وقت تک ہماری مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو گاڑی میں جتا ہوا ہو۔ جس طرف گاڑی والا گھوڑے کو پھیرے گا وہ اسی طرف پھرے گا۔ لیکن جب وہ باگیں چھوڑ دے گا۔ تو وہ جس طرف چاہے گا چل پڑے گا۔ چراگاہ والے گھوڑے اور گاڑی میں جتے ہوئے گھوڑے سے ایک سا سلوک نہیں ہوتا۔ چراگاہ والا گھوڑا جہاں چاہتا جاتا ہے۔ لیکن گاڑی میں جتا ہوا گھوڑا اپنے مالک کی مرضی پر چلتا ہے۔ اس کا مقصد گاڑی کھینچنا ہوتا ہے اس لئے وہ بیر جا چلا چلتا چلا جاتا ہے۔ ہماری حالت بھی اس وقت گاڑی میں جتے ہوئے گھوڑے کی سی ہے جس طرح ایک پرانا والے گھوڑے کو دیکھ کر اگر گاڑی میں جتا ہوا گھوڑا یہ چاہے کہ وہ آزاد پھرے۔ تو یہ اس کی بے وقوفی ہوگی۔ اسی طرح ہماری جماعت بھی دوسری جماعتوں کو دیکھ کر ان کے پیچھے چلنا چاہے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ جماعت کے سامنے

دو ہی صورتیں ہیں

یا تو وہ سیدھی چلتی چلی جائے۔ اور یا وہ کوڑے کھانے کے لئے تیار رہے۔ تم جب کہتے ہو کہ ہم ایک مامور کو ماننے والے ہیں۔ تو اس کا یہی مطلب ہے کہ ہم ایک گاڑی میں جتے ہوئے ہیں۔ اب اگر ایک گاڑی میں جتا ہوا گھوڑا یہ خیال کرے کہ اس سے چراگاہ میں چرنے والے گھوڑے کا سا سلوک ہوگا۔ تو درست نہیں۔ اسی طرح تمہارے ساتھ بھی دوسرے لوگوں کا سا سلوک نہیں کیا جاسکتا جہاں تمہارے ساتھ انعامات اور فضل کے وعدے ہیں۔ وہاں کوڑوں کے بھی وعدے ہیں۔ پس تم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور

اپنے اعمال کا جائزہ لو

جو سال ختم ہوا ہے۔ اُسے آئندہ کے لئے نیک عزم اور نیک ارادوں کے ساتھ ختم کرو۔ اور بے شک دنیا کماؤ۔ لیکن دین کو بھی نظر انداز نہ کرو۔ بلکہ ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم رکھو۔ (الفضل ۱۸ رجنوری ۱۹۵۵ء)

ہندو پاکستان کرکٹ میچ (بقیہ صفحہ ۲)

گمنہ بیگا ہر ہندوستانی پاکستانی مالٹوں کی ٹوکری، پاکستانی نمک کا بیس اور دنداسے کا پیکٹ اپنے ہمراہ ہندوستان لارہا ہے۔ اور ان میں سے غالب اکثریت تحفہ کے طور پر چیزیں لانیوالوں کی تھیں۔ ہندو پاکستانی کسٹم پولیس والوں نے بھی کمال فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے ایسے تحفوں کو کسٹم کے قواعد و ضوابط سے مستثنیٰ رکھا تاکہ مہمانوں کی کسی لحاظ سے دلشکنی نہ ہو۔

۳۰ رجنوری کی شام کو اختتام میچ کے بعد مال روڈ پر پاکستانی اور ہندوستانی افراد کے مشترکہ جلوس میں پاکستان و ہندوستان زندہ باد ہندو مسلم سکھ اتحاد زندہ باد کے نعرے تقسیم ملک کے بعد اپنی قسم کی پہلی مثال ہیں۔

پاکستان میں قیام کے چند ایام کے دوران میں میں نے جو کچھ مشاہدہ کیا وہ اتنی حسین داستان ہے کہ جی چاہتا ہے کہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرتا چلا جاؤں۔ لیکن اپنی کم مائیگی، تنگ دامانی اور کچھ طوالت کے خوف سے میں نے صرف اجمالی طور پر دھندلا سا خاکہ پیش کرنے کی سعی کی ہے ورنہ ع اس طرح کے ٹکڑے بہت ہیں میرے افسانے میں

چھ روز کا یہ خوشکن منظر اپنے اختتام کو پہنچا۔ ملنے والے ایک دوسرے سے دلی شوق اور وفور محبت سے ملنے والے پھر جدا ہونیکے خیالات میں گم تھے۔ جدائی کا احساس بھی شدید تھا۔ اس لئے باتیں بہت کم تھیں محبت و مروت کے آنسوؤں نے ماحول کو شبنم آلود کردیا خاموش و ساکت فضا کا منظر زبان حال سے کہ رہا تھا کہ ہندو بننا یا مسلمان کہلانا آسان ہے لیکن انسان بننا اور انسانیت کی قدر کرنا مشکل ہے تانگوں، بسوں اور ریل گاڑیوں پر الوداع کہنے والے پاکستانی دوست اپنے رخصت ہونے والے مہمانوں سے دوبارہ آنے کے وعدے لے رہے تھے۔ لیکن دونوں جانتے تھے کہ اس قسم کا وعدہ لینا یا کرنا ملکی پابندیوں کے باعث ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ البتہ جب تقدیر میں ہوگا۔ "عجب پرماتما کو منظور ہوگا" یا "جب خدا چاہے گا" کے الفاظ ہر دو جانب سے تسلی کا باعث بن رہے تھے۔ اس موقعہ پر ادران حالات میں کہنے والے اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ کسی کسی رعایت پسند دوست کی آواز کہ "پاسپورٹ کی کوشش جلد کر کے آؤں گا"۔ بھی کانوں میں پڑتی تھی۔ بہرحال پرخلوص میزبان اور محبت نواز دوست خاموش کھڑے ایک دوسرے کی طرف تکتے ہوئے بھی دکھائی دیئے۔ ان کی نظریں زبان حال سے کچھ ایک دوسرے کو کہ رہی تھیں۔ چھ روز کے عارضی مہمان تقسیم ملک کی مجبوریوں اور پرمٹ کی پابندیوں کا شکار ایک عارضی سہولت سے فائدہ اٹھانے کے بعد اپنے دلوں میں نئی یادوں کے چراغ روشن کرکے واپس جارہے تھے۔ اور لاہور کی دلکش و پیاری بستی کے در و دیوار کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ کرکٹ کا میچ جس کی طفیل وہ اپنے گلستان کی طرف لوٹ سکے اور بچھڑے ہوئے ساتھیوں اور دیرینہ رفیقوں کو ملے کاش کہ سالہا سال جاری رہتا۔

لیکن نہیں نہیں ایسا کیونکر ہوسکتا ہے۔

کیا اہل دل کی دلبستگی یا یار دیار دوستوں کے باہمی تعلقات اپنے میں آتی کشش بھی نہیں رکھتے جس قدر کہ کرکٹ میچ کی دلچسپی؟ ایک ٹیم نہیں یہاں تو ہزاروں لاکھوں ایسی ٹیمیں ہوں گی جن کی آنکھیں روزانہ ہر دو جانب یار دیار ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہوں گی۔ لیکن جن کے راستہ میں پاسپورٹ کی کٹھن مشکلات حائل ہیں۔

اگر ہند و پاکستان کے ذمہ دار افسران کرکٹ میچ کے خوشکن نتائج کی خوشکن بنیادوں پر مستقبل کے لئے امن و پریم کی شاندار عمارت اٹھانے کی فکر کریں اور پاسپورٹ اور ویزا کی موجودہ پابندیوں کو ہٹا کر آمد و رفت کا آسان طریق جاری کرنے کی کوشش فرمادیں تو جبکہ موجودہ میچ سے کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ ہر دو جانب پبلک میں ایسے خیر مقدم کرنے کے لئے وافر جذبات موجود ہیں یہ چیز انفرادی تعلقات کو درست (باقی صفحہ ۱۲ پر)

خطبہ جمعہ

نئے سال کو اس عزم اور ارادے کے ساتھ شروع کرو کہ ہم نے محنت کرنی ہے اور ہماری محنت ہی سے اعلیٰ نتائج پیدا ہوں گے

اگر تمہارے کسی کام کے اعلیٰ نتائج نہ نکلیں تو اس کی ذمہ داری تم پر ہے نہ کہ خدا تعالیٰ پر
خوب سمجھ لو کہ محنت اور قربانی کے بغیر خدا تعالیٰ کی مدد نہیں آیا کرتی

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۷ر جنوری ۱۹۵۵ء بمقام ربوہ

خطبہ نویس سلطان احمد صاحب پیر کوٹی

نوٹ:- حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر جماعت جمعہ میں یہ خطبہ سنائے اور پھر تمام افراد سے عہد لے کہ وہ صحیح محنت کی عادت ڈالیں گے اور اپنے دعویٰ کو تب سچ سمجھیں گے جب اس کے اعلیٰ نتائج نکلیں۔ اگر اعلیٰ نتائج نہ نکلیں۔ تو اقرار کریں گے کہ انھوں نے صحیح محنت نہیں کی۔

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

پچھلے جمعہ کے بعد مجھے

شدید نزلہ

ہوا۔ اس قسم کا نزلہ مجھے کئی سال سے نہیں ہوا تھا۔ پہلی دو راتیں تو ایسی گذریں۔ کہ رات بھر سوتے اور جاگتے ناک سے اس قدر پانی بہتا رہتا تھا کہ اس سے تکیہ بھر جاتا تھا۔ اس کے بعد مرض میں کمی آنی شروع ہوئی۔ لیکن ابھی تک پوری طرح مرض نہیں گئی تھوڑی سی شکایت باقی ہے۔ بہت سی جاتی رہی ہے (اس خطبہ کے بعد پھر شدید دورہ زکام کا ہوا۔ جس کی وجہ سے بعد کا جمعہ میں نہیں پڑھا سکا)

یہ جمعہ اس

سال کا پہلا جمعہ

ہے۔ پچھلا جمعہ گزشتہ سال کا آخری جمعہ تھا۔ ہمیں اپنے اعمال پر غور کرتے ہوئے سوچنا چاہیئے۔ کہ ہر سال ہمارے کام کو کتنا بڑھا دیتا ہے۔ اور ہماری ذمہ داری کو کتنا ادا کر دیتا ہے۔ ہر سال ہی میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اور ہر سال ہی آپ میں سے مخلص لوگ نئے نئے عزم اور ارادے کرتے ہیں۔ لیکن جب سال گذر جاتا ہے تو ڈھاک کے وہی تین پات نظر آتے ہیں۔ ہمارے ملک میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے۔ یا یوں کہو کہ ہماری قوم کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہم نے محنت کا مفہوم بالکل بدل دیا ہے۔

ایک نیک بات ہمارے بزرگوں نے ہمارے اندر جاری کی تھی۔ اور

ایک روحانیت کا دروازہ

انہوں نے ہمارے لئے کھولا تھا۔ لیکن ہم نے وہی چیز دین کے خلاف الٹ کے رکھ دی۔ اور اس کو ہم نے اپنے نفس کا بہانہ بنا لیا۔ وہ بات یہ تھی کہ اعمال کے نتائج خدا تعالیٰ کا مرتب کرتا ہے۔ انسان صرف کام کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے اعمال کے جو اچھے نتائج نکلیں۔ تم انہیں اپنی طرف نہیں بلکہ خدا کی طرف منسوب کیا کرو۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ واذا مرضت فھو یشفین۔ کہ جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو خدا تعالیٰ مجھے شفا دیتا ہے۔ یعنی بیماری میری طرف سے آتی ہے۔ اور شفا خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ اس میں یہی نکتہ تھا کہ ہر نیک بات خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کرو۔ اور ہر بری بات اپنی طرف منسوب کیا کرو۔ لیکن ہم نے وہی بات اُلٹا کر ان کے اور دین کے خلاف کر دی۔ اور جب ہمارے کسی کام کا نتیجہ نہیں نکلتا۔ تو ہم اسے اپنی طرف منسوب نہیں کرتے۔ بلکہ اسے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ہم نے تو محنت کی تھی۔ لیکن اس کا نتیجہ نکالنا خدا تعالیٰ کے اختیار میں تھا۔ اگر اس نے نہیں نکالا تو اس میں ہمارا کیا اختیار ہے اس طرح ہم اپنی کمزوری کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ

فرمایا کرتے تھے۔ کہ مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کے نام کا اتنا غلط استعمال کیا ہے۔ کہ انہوں نے دین کی کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی۔ کسی زمانہ میں جب مسلمان کہتے تھے۔ کہ اس گھر میں خدا ہی خدا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوتا تھا۔ کہ اس گھر میں خدا تعالیٰ کی برکت پائی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی حکومت اس گھر میں ہے لیکن آجکل لوگ جب کہتے ہیں۔ کہ اس گھر میں اللہ ہی اللہ ہے۔ تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں۔ کہ اس گھر میں کوئی چیز نہیں۔ گویا جس چیز کو خدا تعالیٰ کی حکومت اور اس کی طاقت اور قوت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسے اب نفی اور صفر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے نزدیک اب صفر ہے۔ اس کی کوئی طاقت اور قوت نہیں۔ وہی معاملہ ہم نے توکل سے کیا ہے۔ ہم ایک کام کرتے ہیں۔ اور جب اس کے لئے غلط طریق اختیار کرتے ہیں۔ اس کے لئے کم محنت کرتے ہیں۔ یا اس سے قطعی غفلت کا معاملہ کرتے ہیں۔ اور لازماً اس کا نتیجہ صفر نکلتا ہے۔ تو اس کا

الزام خدا تعالیٰ کو دیتے ہیں

اور کہتے ہیں۔ اس کا موجب خدا ہے۔ ہم نے تو اپنا پورا زور لگا دیا تھا۔ نتیجہ نکالنا خدا تعالیٰ کے اختیار میں تھا۔ ہمارے اختیار میں نہیں تھا۔ ہمارا مبلغ۔ کلرک۔ آڈیٹر۔ نائب وکیل نائب ناظر۔ ناظر۔ وکیل اور پھر ہمارے استاد۔ پروفیسر اور علماء سارے کے سارے کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اپنا پورا زور لگا دیا ہے۔ اور مقدور بھر محنت کی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ گویا ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ ہر اچھا کام اس سے سرزد ہوتا ہے۔ اور بیڑا غرق کرنا خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ گویا جس ذات کو کسی زمانہ میں بیڑا تیرانے والا کہا جاتا تھا۔ اب ہم اپنی غفلت اور

سستی پر پردہ ڈالنے

کے لئے اسے بیڑا غرق کرنے والا کہتے ہیں اور اگر وہ بیڑا غرق کرنے والا نہیں بلکہ بیڑا تیرانے والا ہے تو بیڑا غرق ہم کرتے ہیں اور اپنی نادانیوں اور غفلتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اسے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر تم اس سال یہی نکتہ سمجھ لو کہ محنت اور قربانی کے بغیر دنیا میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور اگر واقعہ میں تم محنت اور قربانی کرو۔ تو ناممکن ہے۔ اس کا اعلیٰ نتیجہ پیدا نہ ہو۔ تمہارے کسی کام کا اعلیٰ نتیجہ نہیں نکلتا۔ تو تمہارا بیڑا خدا تعالیٰ نے غرق نہیں کیا تم نے خود کیا ہے۔ اگر تم

اس نکتہ کو سمجھ لو

تو تمہاری کایا پلٹ جائے۔ اب ہمارا کلرک یہ کہتا ہے کہ میں نے تو آٹھ گھنٹے کام کیا ہے۔ نتیجہ نکالنا تو خدا تعالیٰ کا کام تھا میرا کام نہیں تھا لیکن اگر وہ ۷ گھنٹے کی بجائے ۸ یا ۹ گھنٹے بھی بیٹھتا ہے۔ اور اپنا وقت سستی اور غفلت میں ضائع کر دیتا ہے۔ تو اس کا کیا فائدہ۔ اس طرح اگر وہ پچاس گھنٹے بھی بیٹھے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ پھر اکثر کارکن تو ایسے ہوتے ہیں۔ جو کام کرتے ہی نہیں۔ پھر

ہمارے دفاتر میں

چھٹیوں کا سلسلہ اس قسم کا چلا جاتا ہے۔ کہ ہماری چھٹیاں گورنمنٹ کی چھٹیوں سے بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اب میں نے اس بارہ میں سختی شروع کی ہے تو چھٹیوں کا رجحان ایک حد تک کم ہو گیا ہے لیکن پہلے یہ دستور تھا۔ کہ ہمارے دفاتر میں

چھٹیاں ہی چھٹیاں

ہوتی تھیں۔ چنانچہ جمعہ کی چھٹی کے علاوہ سال میں ۸۰ - ۹۰ چھٹیاں ہو جاتی تھیں۔ اب بھی سارے پاکستان میں سال بھر میں جو چھٹیاں ہوتی ہیں۔ تو ہمارے دس چھٹیاں ہوتی ہیں۔ مالا کھتا اپنا کام کرتا ہے۔ اور کوئی چھٹی نہیں کرتا۔ کارخانہ دار

اپنا روزانہ کام کرتا ہے۔ اور کوئی چھٹی نہیں کرتا۔ پس ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ ہم کوئی ایک چیز اختیار کریں۔ بجبکہ میں نے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جماعت کے افراد سے کہا تھا کہ ہر سال کوئی ایک خلق اختیار کرنے کا عہد کر لیا کریں۔ میں کہتا ہوں کہ تم اس سال یہ خلق اختیار کرو۔ کہ تم محنت کا طریق اختیار کرو۔ اور اس کے ساتھ یہ یقین پیدا کرو۔ کہ اگر تم محنت کرو گے تو ضرور اس کا اچھا نتیجہ نکلے گا۔ اور اگر نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ تو تم کذاب ہو۔ تم نے محنت کی ہی نہیں۔ ورنہ کیا وجہ تھی کہ تمہاری محنت کا اچھا نتیجہ نہ نکلتا۔ اگر تم اس نکتہ کو سمجھ لو۔ تو

تمہاری کایا پلٹ جائے گی

اور ہر سال تمہارے کاموں کا عظیم الشان نتیجہ نکلے گا۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی محنت کرے۔ اور پھر اس کے کام کا اچھا نتیجہ نہ نکلے۔ ہمیں نظر آتا ہے کہ جس کسی نے بھی محنت کی ہے۔ اس کی کایا پلٹ گئی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہم محنت کریں۔ اور ہماری کایا نہ پلٹے۔

بڑی مصیبت یہ ہے

کہ جو ہمارے ذمہ دار کارکن ہیں۔ انہوں نے اخلاق نقطۂ نگاہ کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ مثلاً ناظر اعلیٰ ہیں۔ ان کا سب سے پہلا کام یہ ہے۔ کہ وہ ماتحت نظارتوں کے کام کا معائنہ کریں۔ لیکن عملاً انہوں نے گذشتہ چالیس سال میں ایک دفعہ بھی معائنہ نہیں کیا۔ گویا یہ ایسی ہی بات ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ یہ فلاں جامع مسجد کے امام ہیں۔ اور ان میں خوبی یہ ہے کہ گذشتہ پچاس برس میں انہوں نے ایک نماز بھی نہیں پڑھائی۔ اب یہ بات کوئی بے وقوف ہی کہہ سکتا ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں۔ کہ اگر تم پاگل خانہ میں بھی چلے جاؤ۔ تو وہاں بھی کوئی یہ بات نہیں کہے گا لیکن ہمارے ہاں یہ بات کہیں گے۔ کہ ناظر صاحب اعلیٰ نے پچھلے چالیس سال میں ایک دفعہ بھی ماتحت نظارتوں کا معائنہ نہیں کیا۔ حالانکہ ان کا

سب سے بڑا کام

یہی تھا۔ اگر وہ سال میں تین چار دفعہ بھی نظارتوں کا معائنہ کر لیتے تو ہم سمجھتے۔ انہوں نے ایک حد تک اپنا کام کیا ہے۔ اور پھر جب وہ سال میں تین چار دفعہ معائنہ کرتے۔ تو ممکن تھا کہ وہ صرف کاغذات ہی دیکھتے لیکن اگر ان میں عقل ہوتی۔ تو وہ یہ بحث کرتے۔ کہ فلاں نظارت کا کام کیوں سست ہے۔ کل ہی مجھے بتایا گیا ہے کہ مبلغین ملتے ہیں۔ تو میں نے ناظر صاحب دعوت و تبلیغ سے کہا۔ کہ مبلغین اپنی رپورٹ میں ملاقاتوں کے خانہ میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ عرصہ زیر رپورٹ میں فلاں فلاں شخص سے ملے ہیں۔ لیکن اگر رپورٹوں کو دیکھا جائے۔ تو ایک رپورٹ میں مثلاً احمد۔ محمد اور خالد کے نام آتے ہیں۔ دوسری رپورٹ میں نظام دین۔ شمس الدین اور جلال دین کے نام آجاتے ہیں۔ تیسری رپورٹ میں مبارک احمد۔ نادر احمد اور بشیر محمد کے نام آجاتے ہیں۔ اور چوتھی رپورٹ میں قدرت اللہ

شہاب اللہ اور لقاء اللہ کے نام آجاتے ہیں۔ ناظر صاحب ابھی نئے ہیں۔ لیکن میں نے ان سے کہا۔ کیا آپ نے کبھی یہ سوچا ہے۔ کہ پہلے تین شخص جنہیں ہمارے کوئی مبلغ ملے تھے۔ وہ کہاں گئے۔ وہ مر گئے ہیں یا گاؤں چھوڑ گئے ہیں۔ کہ بعد میں ان کا ذکر ہی نہیں آتا اگر تم غور کرتے تو تم سمجھ جاتے۔ کہ ان لوگوں سے ان کی اتفاقی ملاقات ہوئی تھی۔ دوسری دفعہ چونکہ تین اور آدمی آنکھ لگ گئے۔ اس لئے انہوں نے ان کے نام دے دیئے۔ بہرحال تم نے کبھی مبلغین سے پوچھا۔ کہ تمہاری پہلی تبلیغ کہاں گئی۔ آخر تم نے سال بھر کیا کام کیا ہے۔ اگر تم انہیں پکڑتے۔ تو لازمی طور پر یہ لوگ ختم ہو جاتے۔ اور یا کام کرتے۔ یہی حال بیرونی انجمنوں کا ہے۔ ان میں بھی ہر سالی

نئے ارادے اور نئے عزم

ہوتے ہیں۔ نئے وعدے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے نتائج بہت کم نکلتے ہیں۔ اب تک ہماری ساری کمائی ہمارے بیرونی مشن۔ چند تعلیمی ادارے اور چندے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ کالج اور سکول دوسرے لوگوں کے پاس بھی ہیں۔ لیکن ہمارے پاس مبلغ ہیں۔ تبلیغی مشن ہیں۔ جو ان کے پاس نہیں پھر ہمارے لوگ چندہ بھی بڑی محنت سے دیتے ہیں۔ اگرچہ جتنا چندہ اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا موجودہ چندہ اس کا قریباً نصف ہے۔ لیکن دوسرے لوگ اتنا چندہ بھی نہیں دیتے۔ سو ایسے کام تو ہمارے ذمہ ہزاروں ہیں۔ ہم نے

صداقت کو دنیا میں قائم کرنا ہے

نہ صرف ہم نے اپنے آپ کو سچ کا عادی بنانا ہے۔ بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی سچ کی عادت ڈالنی ہے۔ ہم نے خود اپنے آپ کو بھی محنتی بنانا ہے۔ اور دوسروں میں بھی محنت کی عادت پیدا کرنی ہے۔ ہم نے خود بھی عالم بننا ہے۔ اور دوسروں کو بھی عالم بنانا ہے۔ خود بھی منصف بننا ہے۔ اور دوسروں کے اندر بھی عدل اور انصاف کی عادت پیدا کرنی ہے۔ اب دیکھو کتنے اخلاق ہیں۔ جو ہم نے اپنے اندر اور دوسرے لوگوں کے اندر پیدا کرنے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ایک ایک صفت کے مقابلہ میں بعض دس دس بیس بیس پچاس پچاس اخلاق آجاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ۹۹ صفات گنی جاتی ہیں۔ اگر ایک ایک صفت کے مقابلہ میں دس دس بیس بیس اخلاق ہوں۔ تو ہزاروں اخلاق بن جاتے ہیں۔ اور ہم نے ان میں سے ہر خلق کو نہ صرف اپنی ذات میں بلکہ دوسروں میں بھی پیدا کرنا ہے۔ لیکن اب تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب کیوں نہیں ہوئے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے اقرار پر قائم نہیں رہتے۔ اور تھوڑا سا ہی کام ہو کرتے ہیں۔ اگر وہ ناممکن رہ جاتا ہے یا اس کے برے نتائج نکلتے ہیں۔ تو ہم یہ محسوس نہیں کرتے۔ کہ وہ بد

نتائج ہماری وجہ سے نکلے ہیں۔ بلکہ ہم انہیں خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے تو احمدیہ جماعت کو اس لئے قائم کیا تھا۔ کہ جو کام آسمان پر جاری ہو۔ ہم اُسے زمین پر جاری کریں۔ لیکن عملی طور پر

ہم یہ سمجھتے ہیں

کہ ہم جو کام کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اسے منسوخ کر دیتا ہے۔ ہم بد نتائج کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ان سے بری قرار دیتے ہیں۔ گویا ہمارے زمانہ میں خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت ہی ختم ہو گئی ہے۔ اس کی صفت مالکیت بھی ختم ہو گئی ہے۔ اس کی صفت رحمانیت بھی ختم ہو گئی ہے۔ اس کی صفت رحیمیت بھی ختم ہو گئی ہے۔ اس کی صفت ستاریت بھی ختم ہو گئی ہے۔ اس کی صفت غفاریت بھی ختم ہو گئی ہے اس کی صفت مہیمنیت بھی ختم ہو گئی ہے۔ اس کی صفت جباریت بھی ختم ہو گئی ہے۔ مذہب بھی ختم ہو گیا ہے۔ صرف

خدا تعالیٰ کی صفت قہاریت

باقی رہ گئی ہے۔ باقی سب کام اس نے چھوڑ دیئے ہیں۔ اب وہ صرف قہار ہی قہار ہے۔ اور قہار کے بھی دو معنے ہیں۔ سچ کے مقابل پر جھوٹ کو دبا کر سچ کو ابھارنے والا اور ذلیل کرنے والا۔ لیکن ہمارے زمانہ میں وہ صرف ذلیل کرنے والا ہی ہے غالب کرنے والا نہیں۔

اگر تم یہ چیز سمجھ لو۔ کہ تمہاری محنت اور قربانی سے ہی اعلیٰ نتائج نکلیں گے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری یہ ساری حالت بدل جائے گی بس

تم خوب سمجھ لو

کہ محنت اور قربانی کے بغیر خدا تعالیٰ کی مدد نہیں آئیگی۔ اور تم خوب سمجھ لو کہ اگر تم سچی محنت کرو گے۔ تو اس کا اعلیٰ نتیجہ نکلے گا۔ اگر تمہارے کام کا اعلیٰ نتیجہ نہیں نکلتا۔ تو اس کے معنے یہ ہیں کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ یا پھر تم احمق ہو۔ قرآن کریم نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ کوئی عورت سارا دن محنت سے سوت کاتا کرتی تھی۔ لیکن بعد میں وہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی۔ دراصل یہ ایک واقعہ ہے جو عرب میں مشہور تھا۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ عرب میں

یہ واقعہ مشہور تھا

کہ کوئی پاگل عورت تھی۔ وہ سوت کاتا کرتی تھی تاکہ اس سے گاؤں والوں کی مدد کر سکے۔ اس کے سوت کاتنے کے دوران میں اگر کوئی مدد طلب کرنے والا آجاتا۔ تو وہ اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیتی۔ اور کہتی۔ کہ ابھی پورا سوت تیار نہیں جب وہ سوت کات لیتی۔ تو گاؤں کے قابل امداد لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کرتی۔ اور

پھر اس سوت کو کاٹ کر ان سب میں تقسیم کر دیتی۔ لیکن اس کی محنت سے کوئی شخص بھی فائدہ نہ اُٹھا سکتا کیونکہ اگر وہ سوت آٹھ آدمیوں کے کام آسکتا تھا۔ اور قابل امداد سو آدمی ہوتے۔ تو وہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سو آدمیوں میں تقسیم کر دیتی۔ اور اس طرح وہ کسی کے بھی کام نہ آسکتا۔ تو فرمایا۔ تم اس عورت کی طرح نہ بنو۔

اس کے معنی یہ ہیں

کہ تم بے وقوف نہ بنو۔ تم محنت کرو۔ اور عقل سے محنت کرو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تم اپنے خیال میں کسی کو کوئی چیز دے رہے ہو۔ لیکن اسے اس کا کوئی فائدہ نہ پہنچتا ہو۔ تمہاری ہر تکلیف ایسی ہو۔ جو دوسروں کو آرام دینے والی ہو۔ اگر تم کوئی ایسی تکلیف اُٹھاتے ہو۔ کہ اس سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ تو تمہاری وہ تکلیف خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔ خدا تعالیٰ کو تمہاری وہی تکلیف پسند ہے۔ جس سے دوسروں کو آرام ملتا ہے۔ اگر تم تبلیغ کرتے ہو۔ اور اس کے نتیجہ میں کسی کو ہدایت مل جاتی ہے۔ تو تمہارا یہ فعل خدا تعالیٰ کو پسند ہے۔ لیکن اگر تم تبلیغ کرتے ہو۔ اور اس کے نتیجہ میں کسی کو ہدایت نہیں ملتی۔ اور تم یہ کہہ دیتے ہو۔ کہ ان لوگوں کے دل سخت ہو گئے ہیں۔ تو تمہارا

یہ کام خدا تعالیٰ کو پسند نہیں

تم یہ کہتے ہو کہ میرے بھائی بھتیجے یا دوسرے رشتہ دار میری بات نہیں سنتے۔ یا میری تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن تم بھی تو کسی کے بھائی تھے۔ تم بھی تو کسی کے بھتیجے تھے۔ تم بھی تو کسی کے بھانجے تھے۔ تم بھی تو کسی کے خاوند تھے۔ تم بھی تو کسی کے داماد تھے۔ تمہارا خدا تعالیٰ سے کیا رشتہ تھا۔ کہ اس نے تمہیں ہدایت دے دی۔

حقیقت یہ ہے

کہ جماعت کے دوست اپنے رشتہ داروں اور قریبی دوستوں کو صحیح طور پر تبلیغ نہیں کرتے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی۔ کہ ان پر تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ کل ہی میرے پاس ایک عورت آئی۔ وہ قادیان کے پاس کی رہنے والی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ

چالیس سال سے

میرا خاوند احمدی نہیں ہوا۔ میں اکیلی احمدی ہوں۔ وہ خود نیک عورت تھی۔ اور مومنہ تھی اور میرے پاس یہ شکایت لے کر آئی تھی۔ کہ اب میں ۷۰-۷۲ سال کی ہو گئی ہوں۔ اگر میں مر گئی۔ تو میرا جنازہ کون پڑھائے گا میں نے اُسے کہا۔ کیا تمہارا خاوند زندہ ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں وہ زندہ ہے۔ لیکن احمدی نہیں۔ میں نے کہا کیا تمہارا اور کوئی رشتہ دار احمدی نہیں۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ میں نے کہا کیا تمہارے ماں باپ کی طرف سے بھی کوئی رشتہ دار احمدی نہیں۔ اس نے کہا میرے بھائی احمدی ہیں۔ میں نے کہا پھر تم میرے پاس کیوں آئی ہو مجھے تو تمہاری موت کا پتہ نہیں لگ

انڈونیشیا میں احمدیت کس طرح پھیلی

(از مکرم مولانا عبد الواحد صاحب مبلغ سماٹرا)

نوٹ:- مورخہ ۱۹/۱/۵۵ بعد نماز عصر خدام الاحمدیہ و جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے دی گئی پارٹی میں پیش کردہ ایڈریس کا جو جواب مکرم مولانا عبد الواحد صاحب نے دیا۔ اُس کا ابتدائی تعارفی حصہ حذف کرتے ہوئے بقیہ افادہ عام کے لئے شائع کیا جاتا ہے (ایڈیٹر)

احمدیت سے متعارف ہونے سے قبل بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے انڈونیشین قوم دین اور عبادت کی طرف راغب رہی ہے۔ چنانچہ کئی صدیوں سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں یہ لوگ حج کے لئے جاتے ہیں۔ اور اکثر نوجوان عربی علوم کے حصول کے لئے مقامات مقدسہ مکہ۔ مدینہ اور مصر وغیرہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاتے رہے ہیں۔ اور اب بھی انڈونیشیا کے مختلف جزائر میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو عربی زبان بول سکتے اور بولتے ہیں۔

۱۹۲۳ء کے شروع میں سماٹرا کے تین طالب علم ہندوستان میں لکھنؤ میں وارد ہوئے۔ اور وہاں دو تین ماہ رہ کر لوگوں میں مشرکانہ رسوم اور قبر پرستی وغیرہ دیکھ کر دل برداشتہ ہو گئے۔ اور اس جگہ کو خیرباد کہہ کر لاہور چلے آئے۔ اور احمدیہ بلڈنگ میں ٹھیر کر اپنی تعلیم شروع کی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں کے ایک استاد نے بتایا کہ اگر آپ لوگ واقعی دینی اور روحانی علوم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو قادیان جائیں۔ وہ مقام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائے پیدائش ہے۔ چنانچہ وہ طالب علم قادیان تشریف لے آئے۔ اور بعد تحقیقات صداقت احمدیت کو قبول کر لیا اور پھر اپنے رشتہ داروں اور دیگر ملکی دوستوں کو احمدیت کی اطلاع دی۔ ازاں بعد انڈونیشیا سے کئی گروپ وقتاً فوقتاً قادیان آتے رہے۔

۱۹۲۵ء کے وسط میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مکرم جناب مولوی رحمت علی صاحب فاضل کو سماٹرا کے لئے مبلغ بنا کر بھیجا۔ اور ۲؍ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو مکرم مولانا صاحب سمندر سے شہر تاپاتوان میں پہنچے۔ یہ شہر شمالی سماٹرا میں واقع ہے۔ اس لفظ کے معنی بزرگ انسان کے قدم کے ہیں پرانی روایات میں یہ بیان ہوتا چلا آیا ہے۔ کہ اس جگہ ایک بزرگ نے مقابلہ کر کے ایک بڑے اژدہا کو قتل کیا تھا۔ اور اس مقابلہ میں اژدہا نے اُن کی پگڑی سمندر میں گرا دی۔ روایات میں ان کے دو نشان بیان کئے جاتے ہیں۔ ان کے قدم کا نشان زمین پر ہونا۔ اور سمندر میں اس جگہ جہاں پانی اُٹھا رہتا ہے پگڑی کا نشان موجود ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

اب احمدیت کے وہاں پہنچنے پر ہم پر اس اشارہ کا راز کھلا کہ دجال کے اژدہا کو قتل کرنے والا بزرگ سب سے پہلے تاپاتوان میں اپنا قدم رکھے گا۔ چنانچہ احمدیت کا سب سے پہلا مبلغ اسی شہر میں آیا۔

مولوی صاحب مکرم کے پہنچنے پر لوگوں نے شوق سے ان کا پیغام سنا۔ اس شہر کے بعض طالب علموں نے جو اس سے پہلے قادیان آئے ہوئے اپنے وطن میں اپنے رشتہ داروں کو مولوی صاحب مکرم کے تشریف لانے کی اطلاع پہلے کر دی ہوئی تھی۔ انہیں سے مجھے ان کے متعلق اطلاع ملی۔ میں اسلامیہ سکول کا طالب علم تھا۔ ان کے پہنچنے پر استقبال کیلئے بندرگاہ پر پہنچا۔ مولوی صاحب مکرم بہت کم ملائی زبان جانتے تھے۔ میں نے ان سے عربی میں گفتگو کی۔

اُسی پہلی رات آپ عربی زبان میں بعض احباب کے سامنے تبلیغی امور بیان کرتے تھے۔ اور میں اسے اپنی زبان میں ترجمانی کر دیتا تھا۔

دو ماہ کے قلیل عرصہ میں چالیس پچاس کے قریب احباب نے احمدیت قبول کر لی۔ ان میں سے ایک میں بھی تھا۔ میری عمر اس وقت انیس سال کی تھی۔ اتفاق سے انہی دنوں ہمارے شہر کے نزدیک ایک جگہ پر اچے قوم نے گورنمنٹ کے خلاف بغاوت شروع کر رکھی تھی ادھر مکرم مولوی صاحب امام مہدی کی آمد کی خوشخبری لوگوں کو سنا رہے تھے۔ اور لوگ دن رات کثرت سے آپکی باتیں سننے کے لئے آتے تھے۔ اس سے حکومت کو بغاوت کے بڑھنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ یہاں کے جوشیلے مسلمان مجتمع ہو کر گورنمنٹ کے خلاف کھڑے نہ ہو جائیں۔ مکرم مولوی صاحب کو اس نے تیرہ ماہ کے بعد یہ نوٹس دے دیا کہ آپ پاڈانگ شہر میں جو وسط سماٹرا میں ہے چلے جائیں۔ اس پر آپ وہاں تشریف لے گئے۔ ادھر میرے احمدی ہو جانے پر مخالفت کی وجہ سے میرے گھر والوں نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ لیکن میرے ایک ماموں نے جو احمدی ہو چکے تھے کرایہ دے کر مجھے قادیان تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ جس پر خاکسار ۳؍ جولائی ۱۹۲۶ء کو قادیان دار الامان پہنچا۔ اور ۲؍ فروری ۱۹۳۶ء تک یہاں تعلیم حاصل کرتا رہا۔

پاڈانگ میں مولوی صاحب موصوف کی سخت مخالفت ہوئی۔ کیونکہ یہ جگہ مسلم علماء کا مرکز ہے۔ اور بچہ بچہ مخالفت کے اثر سے مولوی صاحب موصوف کو لاہور کا بڑے پاجامے والا کہکر پکارتا تھا۔ لیکن اسی مخالفت کی برکت ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس علاقہ میں دو تین سال میں ایک بڑی جماعت عطا فرمائی۔ جو اب تک دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اس مخالفت کے دوران میں جبکہ احمدیوں کو سخت دکھ دیئے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی نشانات بھی دکھائے۔ زلزلہ آیا۔ اور چوٹی کے مخالفوں کی جائیداد اور مدارس کو صاف کر دیا۔

پھر ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جہاں مکرم مولوی صاحب موصوف ٹھیرے ہوئے تھے اس کے نزدیک ہی خطرناک آگ لگ گئی جس کا رخ مولوی صاحب کے مکان کی طرف تھا۔ یہ آگ درمیانی مکانات کو بھسم کرتی چلی جاتی تھی۔ اس وقت مولوی صاحب موصوف دعا میں لگ گئے۔ جونہی کہ آگ آپ کے مکان کے پاس پہنچی اللہ تعالیٰ نے بارش شروع کر دی۔ اور اس طرح مولوی صاحب موصوف کے مکان کو محفوظ کر دیا۔ جس سے سب لوگ حیران رہ گئے۔ خدا تعالیٰ کی نصرت و تائید کا یہ زبردست نشان آج تک زبان زد خلائق ہے۔ اسی بنا پر بعض لوگ انہیں جادوگر قرار دیتے ہیں۔

۱۹۲۹ء کے آخر میں مولوی صاحب قادیان تشریف لائے۔ اور پھر دوبارہ جب واپس تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ تو مولوی محمد صادق صاحب ان کے ساتھ تھے۔ اور ایک سال تک اکٹھا کام کرنے کے بعد ۱۹۳۱ء کے آخر میں مولوی صاحب موصوف تبلیغ کی غرض سے جاوا تشریف لے گئے۔ وہاں کے علماء نے بھی آپکی شدید مخالفت کی۔ چنانچہ وہاں ۱۹۳۳-۳۴ء میں تین بڑے بڑے مناظرے شہر جاکرتا اور بنڈونگ میں ہوئے۔ جس میں مولوی ابوبکر صاحب فاضل جو قادیان میں تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ اور سماٹرا سے مکرم مولوی محمد صادق صاحب بھی شریک ہوئے۔

ان تین مناظروں کے بعد وہاں کے علماء احمدیوں کے ساتھ مناظرہ کرنے کی جرات نہ رہی۔ اسی وجہ سے اب تک ان علماء پر احمدیت کا رعب قائم ہے۔ ان مناظروں کے نتیجہ میں

ہو سکتا۔ تم اپنے ان بھائیوں کے پاس جاؤ۔ اور ان سے کہو کہ مرنے کے بعد میری نعش یہاں لے آنا۔ اب دیکھو اتنا لمبا عرصہ ساتھ رہنے کے باوجود اس عورت کا خاوند احمدی نہیں بنا تھا۔ ویسے یہ اس عورت کے

ایمان کا کمال تھا

کہ وہ اتنے لمبے عرصہ سے احمدیت پر قائم رہی۔ آخر اس کا خاوند اُس کی مخالفت کرتا ہو گا۔ لیکن اس عورت میں فعّال کی صفت نہیں تھی۔ اور خدا تعالیٰ فعال لما یرید بھی ہے۔ اور جب خدا تعالیٰ فعال لما یرید ہے تو یہ صفت اس کے بندوں کے اندر بھی ہونی چاہیئے۔ لیکن وہ عورت فعال نہیں تھی۔ اسکی شادی پر چالیس سال گذر چکے تھے۔ لیکن وہ اپنے خاوند کو احمدی نہ کر سکی ورنہ اس کا خاوند تو اسے اپنی طرف سے جا سکا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی نانبے کے تھے۔ لیکن بہرحال ہمیں اپنے آدمی کے متعلق افسوس ہے کہ وہ دوسرے پر کوئی اثر نہ ڈال سکا۔ پس

تم یہ ارادہ کرلو

کہ تم اس سال میں ہر جگہ شور مچاؤ گے کہ عمل کرو۔ عمل کرو۔ عمل کرو۔ اور یہ خیال دل سے نکال دو گے کہ تمہارے کاموں کا مناسب نتیجہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نکلتا ہے۔ اگر تم سچی محنت کرو گے تو لازماً طور پر اس کا اعلیٰ نتیجہ نکلے گا۔ اگر تمہارے کسی کام کا برا نتیجہ نکلتا ہے تو اس کا موجب تم خود ہو۔ خدا تعالیٰ بنانا ہے تم ضائع کرتے ہو۔ اذا مرضت فھو یشفین بیماری تم خود لاتے ہو شفا اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ پس جب بھی کوئی کام لوٹنے کا تمہاری طرف سے ہو۔ اور جب بھی کوئی کام بنے گا تو وہ خدا تعالیٰ بنائیگا اگر تم یہ عقیدہ سمجھ لو تو تمہاری حالت بدل جائیگی

احادیث میں آتا ہے

کہ ایک شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ میں تین بری عادتیں ہیں جن کو ترک کرنے کی میں اپنے اندر طاقت نہیں پاتا۔ آپ کوئی ایسا طریق بتائیں جس کے اختیار کرنے سے میں ان بری عادات سے چھٹکارا حاصل کر سکوں۔ ان تین بری عادات میں سے ایک جھوٹ بھی تھا۔ آپ نے فرمایا تم میری ایک بات مان لو۔ دو کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ تم ایک عیب چھوڑ دو یعنی

جھوٹ بولنا

اُس نے کہا بہت اچھا۔ اور چلا گیا۔ کچھ مدت کے بعد وہ شخص دوبارہ آیا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ اب تمہارا کیا حال ہے اُس نے کہا یا رسول اللہ جھوٹ کے چھوڑنے سے سارے عیب چھوٹ گئے۔ میں جب بھی کوئی غلطی کرنے لگتا تو خیال آتا تھا کہ میں لوگوں کو کیا جواب دوں گا۔ اگر سچ بولوں گا تو لوگ برا بھلا کہیں گے۔ اور اگر جھوٹ بولا تو اپنا عہد توڑوں گا۔ اس طرح محض جھوٹ نہ بولنے کی برکت سے میں سب عیبوں سے نجات پا گیا ہوں۔ اسی طرح اگر تم اس سال کے لئے

یہ عہد کر!

کہ ہم نے محنت کرنی ہے ... عمل کا نتائج پیدا ہونگے۔ اور اگر ہمارے کسی کام ... کے نتائج پیدا نہ ہوئے تو ہمیں اقرار کرنا ہوگا کہ ہم نے محنت نہیں کی یا کوئی حماقت کی ہے جس کی وجہ سے ہماری محنت کا صحیح نتیجہ نہیں نکلا تو تمہاری کایا پلٹ سکتی ہے۔ پس تم یہ سال اس

نئے ارادے اور عزم سے شروع کرو

اس کے نتیجہ میں تم اگلا سال اس سے بھی نیک ارادہ اعمال اور ارادہ *

*سے شروع کرو گے اور تم اپنے ایمانوں میں ایسی پختگی دیکھو گے جس کو کوئی شخص توڑ نہیں سکے گا۔ (الفضل ...)

جہت سے لوگ احمدیت میں داخل ہوئے جن
میں سرکاری ملازم اور اچھے تاجر بھی تھے۔
اور جاکرتہ اور بوگر میں جماعت قائم ہونے کے
ساتھ دو تین سو میل دور کے علاقہ گاروت
اور تاسک ملایا میں بھی جماعت کی شہرت پھیلی
اور وہاں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے۔ جنہوں
نے اپنا تعلق جماعت احمدیہ سے پیدا کرنا
ضروری سمجھا۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں چونکہ جاوا میں بھی تبلیغ کا کام
پورے زور کے ساتھ شروع ہو گیا۔ مکرم
مولوی صاحب موصوف کی طرف سے حضور
کی خدمت میں درخواست کی گئی۔ کہ تبلیغ کے
کام کو وسیع کرنے کے لئے اور مبلغ بھیجے جائیں
اس بناء پر ۱۹۳۶ء کے شروع میں خاکسار کو
گاروت میں اور ملک صاحب کو جاکرتہ میں مقرر
کیا گیا۔ ان دنوں گاروت میں سخت مخالفت تھی
اور مبلغ اور احمدی احباب کو ہر وقت جان کا
خطرہ رہتا تھا۔ چنانچہ خاکسار ایک مرتبہ اپنے
مرکز سے کچھ دور ایک گاؤں میں تبلیغ کی غرض
سے گیا۔ لوگ وہاں پہلے ہی سے میرے قتل
کے لئے سکیم بنا کر ہتھیار لئے کھڑے تھے
جن کا خاکسار کو علم نہ تھا۔ خاکسار دعا کرتے
ہوئے بے خبری کی حالت میں ان کے پاس
سے گزر گیا۔ بعد میں معلوم ہوا۔ کہ وہ لوگ اس
غرض سے جمع ہوئے تھے کہ وہ احمدی مبلغ
کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ نے
ان کو ان کے اس بد ارادہ میں ناکام کر دیا۔
اور بعد میں آپس میں لڑنے لگے اور اس طرح
اپنے ہاتھوں مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔

سنہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۱ء کے آخر تک اس
علاقہ میں دن رات تبلیغ اور تربیت اور
مناظرات کا خوب زور رہا لیکن جب ۱۹۴۲ء
میں جاپان کی طرف سے وہاں حملہ ہوا۔ تو ہمارا
تبلیغ کا کام بند ہو گیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۴۴ء میں مبلغین
وعہدیداران جماعت کو حکومت کی طرف
سے قید کر دیا گیا۔ یہ قید ۴۰ دن تک جاری
رہی۔ مگر اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف
سے مختلف احمدی احباب کو جو قید میں تھے
مختلف قسم کی بشارتیں کشوف و رویا معلوم
ہوئیں۔ جس کی وجہ سے احباب اس عرصہ کو
خوشی سے بسر کرتے رہے۔ بہر حال ہم لوگ
خدا تعالیٰ کی قضاء و قدر پر راضی رہے۔
جاپانی لوگ مذہب اور دین سے نا آشنا
محض تھے۔ اس لئے ہماری عبادات کو شک
کی نظر سے دیکھتے۔ اور ان پر سخت گرفت
کرتے تھے۔ اس لئے ہمیں نمازیں بھی مخفی طور پر
ادا کرنی پڑتی تھیں۔ جاپانی لوگ اپنے مفتوح
علاقہ میں لوگوں پر بہت سختی کرتے تھے۔ اور
جا بجا مار پیٹ شروع کر دیتے تھے۔ ہم سے
ہر دوسرے دن بیان لیتے تھے۔ میں نے انہیں
یقین دلایا کہ ہم احمدی لوگ جھوٹ نہیں بولتے
اور سچے بیان دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کے
بعد انہوں نے ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ
کیا۔ اور ہم پر دوسرے لوگوں کی طرح ہاتھ
نہ اٹھایا۔ مگر پھر بھی ایک ماہ کے عرصہ میں
سولہ دفعہ ہم سے بیان لیا۔ جو صبح سے بارہ بجے
تک اور پھر دو بجے سے پانچ بجے تک جاری
رہتا تھا۔ آخر میں نے ان کے افسر اعلیٰ سے
دریافت کیا ہے کہ ہمارا قصور کیا ہے۔ اس
نے کہا کہ ہم تو آپ لوگوں سے دوسروں کی
نسبت اچھا سلوک کر رہے ہیں۔ کھانا اور
چائے دیتے ہیں۔ آپ زیادہ نہ پوچھیں۔ پھر
اتنے لمبے چوڑے بیانات اور تحقیق کے
بعد انہوں نے ہمیں رہا کر دیا۔ اور جاتے وقت
ان کے افسر نے کہا کہ ہم نے رنگون تک
تحقیق کی ہے۔ اور ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ
اسلامی جماعتوں میں سے احمدی جماعت
سب سے بہتر ہے۔ احمدی اپنے مذہب
کے بہت زیادہ پابند اور عبادت گذار
قربانی کرنے والے اور ایک تنظیم کے
ماتحت کام کرنے والے ہیں۔

آزادی کی جدوجہد

۱۷؍ اگست ۱۹۴۵ء میں ہمارے پریزیڈنٹ
نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ آزادی کی
اس جدوجہد میں ہماری جماعت نے پورا
پورا حصہ لیا۔ بلکہ خاکسار مغربی جاوا کی
فوج کا مشیر اعلیٰ رہا ہے۔ جب ولندیزیوں
نے ہمارے شہر بنڈونگ (اور گاروت)
پر حملہ کیا تو ہم سب شہر کو خالی کر کے پہاڑوں
میں چلے گئے۔ اور ساری قوم یک جان
ہو کر آزادی کے حصول میں کوشاں رہی
اور چار سال کی متواتر جنگ کے بعد ۱۹۴۹ء
کے آخر میں ولندیزیوں نے ہمارا ملک ہمارے
سپرد کر دیا۔ الحمد للہ۔

آزادی ملنے کے بعد سب لوگ واپس
شہر میں آ گئے۔ اور جماعت احمدیہ نے دوبارہ
۱۹۵۰ء سے اپنی تنظیم از سر نو قائم کی اور
ہر جگہ اپنی مساجد تعمیر کیں۔ اور پورے آٹھ سال
کی کش مکش کے بعد حالت اعتدال پر آنے
لگی ہے۔ اور تبلیغی و تربیتی کام کی وسعت
کے پیش نظر مزید پانچ مبلغ مرکز کی طرف
سے بھیجے گئے۔

۵؍ جولائی ۱۹۵۴ء (جوتن) انڈونیشیا
کی تاریخ احمدیت میں ایک نیا باب کھلا۔
جبکہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ
بنصرہ العزیز نے اپنی محبت کے اظہار
کے لئے وہاں اپنا لخت جگر مکرم صاحبزادہ
مرزا رفیع احمد سلمہ اللہ تعالیٰ مع بیگم صاحبہ
مبلغ بنا کر وہاں بھیجا۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک
خاص فضل ہے۔ جو ہم پر ہوا۔

مکرم حضرت صاحبزادہ صاحب سلمہ اللہ
کی تشریف آوری سے ہماری جماعتوں
میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک گئی ہے
اور ہم اس وجہ سے اپنے آپ کو بڑا خوش
قسمت سمجھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں
اس خاص فضل سے نوازا ہے۔ اور اس
وجہ سے مرکز کے ساتھ ہمارے تعلقات
کو اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے۔ ان کا مبارک
وجود ہماری جماعتوں کے لئے نئی بیداری
اور ترقی کا باعث بن رہا ہے۔

اگرچہ تعداد کے لحاظ سے ابھی ہماری
جماعت تھوڑی ہے۔ لیکن تمام اسلامی
جماعتوں پر یہ اثر ہے کہ عیسائی اثرات کو
زائل کرنا اور ان کے خیالات پر فتح پانا
صرف جماعت احمدیہ ہی کا کام ہے۔

موجودہ پریزیڈنٹ صاحب نے جب
دوسری شادی کی تو انجمن خواتین نے جس
کی صدر ایک کیتھولک عیسائی عورت ہے
مخالفت کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ اس
پر صاحبزادہ صاحب موصوف نے ایک
مقالہ اخبارات میں اس کے خلاف
شائع کرایا۔ جس میں یہ لکھا کہ سب سے
پہلے میں پریزیڈنٹ صاحب کو مبارک باد
دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنے عمل سے
اسلامی تعدد ازدواج کی ضرورت اور
صحت کو صحیح ثابت کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا
کہ نامعلوم عیسائی کیوں اس طریق کار
کے خلاف شور مچاتے ہیں۔ حالانکہ کسی
زمانہ میں بھی اور کسی قوم میں بھی دائمی اور
باقاعدہ طور پر ایک بیوی پر اکتفا کرنے
کے قانون پر عمل نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ آج
تو یہ بات سب پر واضح ہے کہ امریکہ اور
یورپ میں پادری لوگ مسٹریس رکھتے
ہیں۔ بلکہ انجیل سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ
یسوع نے بھی متعدد شادیاں کی تھیں۔
چنانچہ اس مضمون کی اشاعت پر تمام
مسلم پارٹیوں کے لیڈروں نے جماعت
احمدیہ کی اس مدافعت اور مقابلہ کو بہت
سراہا۔ اور ظاہر کیا کہ احمدیوں نے عیسائیت
کو خوب پامال کیا۔ اور حقیقت بھی یہی
ہے۔ کہ مسلمانوں میں اسلام کی حقیقی خادم
صرف جماعت احمدیہ ہی ہے۔ انہوں
نے کہا کہ ہم تو اس وقت سیاست کی
الجھنوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔

دوسرے دن عیسائیوں نے غصہ میں آکر
عدالت علیا میں اپیل کی۔ کہ اس مضمون کو
یہ لوگ واپس لیں۔ اور عیسائیوں سے معافی
مانگیں ورنہ ان کے خلاف مقدمہ چلایا جائے
گا۔ اس پر عدالت نے ہمیں بلایا اور سوا چار
گھنٹے متواتر عیسائیوں کے اعتراضات کے
جوابات دریافت کرتی رہی۔ آخر کار جج نے
کہا۔ آج مجھے ان سوالات کے کئی جوابات نئے
نئے پہلوؤں سے معلوم ہوئے ہیں۔ میں یہ
سب جوابات عیسائیوں کے سامنے رکھ
دیتا ہوں۔ پھر ان کی مرضی ہے۔ کہ وہ مقدمہ
چلائیں یا خاموش رہیں۔ ہم تو چاہتے ہیں۔
کہ وہ اس کے متعلق مقدمہ دائر کریں تاکہ
ہمارے دلائل دنیا کے سامنے آ جائیں۔ اور
وہ اخبارات میں شائع ہوں۔ مگر عیسائی
اب تک خاموش ہیں۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ
انڈونیشیا حکومت کے عمائدین سے اچھے
تعلقات رکھتی ہے۔ گذشتہ سال ہماری
سالانہ کانفرنس پر پریزیڈنٹ۔ نائب
پریزیڈنٹ۔ وزراء۔ گورنروں اور کمانڈر
انچیف کی طرف سے مبارکباد کی تاریں
موصول ہوئیں۔ بلکہ ایک موقع پر جبکہ خاکسار
نے قرآن مجید کا ڈچ ترجمہ پریزیڈنٹ صاحب
کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا۔ تو آپ احمدیت
کے متعلق نصف گھنٹہ تک تفصیلی گفتگو
فرماتے رہے۔ اور فرمایا کہ جاری نبوت کے
متعلق بھی ہمیں انکار تو نہیں لیکن ابھی تک
آپ لوگوں نے ہمیں پوری طرح سمجھایا نہیں

بہر حال انڈونیشیا کی سرزمین احمدیت
کے لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت زرخیز
اور امید افزا ہے۔ آپ احباب سے دعا کی
درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم مبلغین اور
جماعت کے دوستوں کو توفیق دے کہ صحیح
طریق پر پیغام حق کو پہنچانے کا موقع ملے اور
ہم سب کا انجام بخیر ہو۔ آمین۔

شذرات

برتھ کنٹرول اور مذہب

سینٹ جان چرچ لندن کے بڑے پادری نے فرمایا:-

"برتھ کنٹرول کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور نسل کی زیادتی کو روکنے کے لئے اس پر عمل کیا جانا چاہیئے۔ کسی زمانہ میں وبائیں آبادی کو بڑھنے سے روکتی تھیں۔ لیکن اب طبی ترقی کی وجہ سے حالات بدل گئے ہیں۔ آجکل کے والدین کے لئے چار بچے آخری حد ہونی چاہیئے۔"

سبحان اللہ! مذہبی رہنما اور خدا تعالےٰ پر اس قدر بدظنی۔ وہ مخلوق تو پیدا کر رہا ہے۔ لیکن اس کی رزاقیت ان کے رزق کے مہیا کرنے سے عاجز آرہی ہے۔ اس کی مخلوق پرند۔ چرند کیڑے مکوڑے بے حد وحساب ہے سب کو وہ رزق مہیا کرتا ہے۔ زمین آسمان اور کائنات کا محیر العقول کا نظام اس نے قائم کیا اور اس کے انتظام سے وہ نہیں تھکا۔ لیکن اگر انسانوں کی آبادی بڑھ گئی تو وہ عاجز آجائے گا۔ مرور زمانہ سے ایسا وقت تو ضرور آئے گا جبکہ دنیا کی آبادی آج سے دگنی۔ پھر تگنی۔ پھر چوگنی غرضیکہ بڑھتی ہی چلی جائے گی اسی وقت کیا انتظام ہوتا جائے گا۔ اور اب کونسی چیز مانع ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں فی ایکڑ اناج کی پیداوار بہت زیادہ ہے۔ پسماندہ ممالک ان کے برابر فی ایکڑ کیوں اناج پیدا نہیں کر سکتے۔ سائنسی طریقوں کو اختیار کرنے۔ مناسب کھادوں اور بیجوں کے استعمال سے بیسیوں گنے ترقی کی گنجائش موجود ہے۔

سو برتھ کنٹرول (ضبط تولید) حقیقی علاج نہیں بلکہ مایوسی پیدا کرنے والا ہے۔ حقیقی علاج یہ ہے۔ کہ تیزی سے ان ذرائع کو بروئے کار لایا جائے۔ جن سے غلاج زیادہ پیدا ہو اور ضائع نہ ہو۔ دنیا میں اناج کی ایک بڑی تعداد شرابوں کی کشید میں ضائع چلی جاتی ہے۔

مسٹر کرپالانی۔ انسان اور گائے

عنوان بالا کے تحت معزز ہفت روزہ "ریاست" رقمطراز ہے:-

"سناتن دھرم سبھا کے ایک لیڈر مسٹر کرپا تری ملک کی فضا کو خراب کرنے کے لئے آجکل ہندوستان کے مختلف شہروں کا دورہ کر رہے ہیں۔ اور آپ کے اس دورہ کا مقصد گائے کو چھری سے بچانا ہے۔ چنانچہ پہلے آپ کلکتہ میں گئے کشی کے خلاف ایجی ٹیشن پیدا کرتے رہے پھر یوپی میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد دہلی آئے اور اب کاٹھیاواڑ میں جلوس نکال رہے ہیں۔ جہاں کہ آپ گرفتار کئے گئے۔ آپ کے اس مقصد کے متعلق ایک ہریجن ممبر اسمبلی مسٹر امین چند نے اپنے ایک بیان میں خوب کہا ہے کہ:-

"مسٹر کرپاتری اس بات کے تو خلاف ہیں کہ ہریجنوں یعنی اچھوتوں کو مندروں میں جاکر عبادت کا حق دیا جائے اور اچھوت کنوؤں سے پانی بھی لے سکیں۔ مگر آپ گائے کو بچانے کے لئے دورے کر رہے ہیں۔ گویا آپ انسانوں کے پیدائشی حقوق مساوات کے تو خلاف ہیں مگر جانوروں کے حقوق کی حفاظت کر رہے ہیں۔"

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص انسانوں کے پیدائشی حقوق مساوات کا مخالف ہو وہ اگر جانوروں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے تو اس کی جد وجہد اور ایجی ٹیشن کا اصل مقصد کیا ہے۔ اور اس کو بھی چھوڑ یئے ہم کہتے ہیں کہ جانوروں پر کی جارہی بے رحمی کے خلاف آواز پیدا کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ مگر۔ کرپاتری جی اپنی اس آواز کو صرف گائے تک ہی محدود کیوں رکھے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ایک سادھو ہیں۔ اور سادھوؤں کا فرض ہے کہ وہ ہر جاندار کو ظلم سے بچائیں۔ تو پھر ان کی ایجی ٹیشن صرف گائے تک ہی کیوں محدود ہے وہ اپنی ایجی ٹیشن بھینس۔ بکری۔ مرغی اور دوسرے جانوروں اور پرندوں تک وسیع کیوں نہیں کرتے۔ جو ہر روز لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں چھری کے حوالے کئے جا رہے ہیں؟

کاش ارباب حل وعقد اور عوام ان حقائق کو سمجھیں۔ تا ملک آماجگاہ فتنہ وفساد بننے سے بچ رہے۔ اور فضا فرقہ داریت اور تعصب کی زہرناکی سے مسموم نہ ہونے پائے۔

ہندو پاکستان کے خوشگوار تعلقات

(بقیہ صفحہ ۱)

بھی آمادہ نہ ہوگا۔

— ۳ —

دوسرا رُخ۔ اخبارات میں یہ بات کئی دفعہ آچکی ہے اور شرنارتھی قادیان دکھارت اس امر کا کئی بار اظہار کر چکے ہیں۔ کہ ۱۹۴۷ء میں جماعت احمدیہ کا طریق کار نہایت ہی روادارانہ اور بااخلاق و بامروت تھا۔ انہوں نے غیر مسلموں کو اپنا بھائی جانا۔ ہندو پاکستان دونوں جگہ انہوں نے ان کی عزت و ناموس اور جان ومال کی حفاظت کو اپنا فرض اولین سمجھا۔ اس لئے جبکہ دوسرے لوگوں کا سر ندامت سے جھکتا ہے تو جماعت احمدیہ کا سر فخر ومسرت سے بلند ہوتا ہے اور ۱۹۴۷ء کے بعد بھی سینکڑوں احمدیوں نے قادیان میں قیام کر کے اپنے نیک اخلاق سے اور غیر مسلموں سے حسن سلوک اور مروت سے پیش آکر ایک نہایت ہی نیک اور خوشگوار فضاء پیدا کی اور یہی فضاء جو قادیان میں جماعت احمدیہ نے کئی سال سے پیدا کر رکھی ہے دونوں ممالک کے لیڈر بالآخر مجبور ہوئے ہیں کہ وہی فضاء دونوں ممالک کے تعلقات کی استواری کے لئے پیدا کریں۔ ان ایام میں لاہور جانیوالوں کو خاص سہولت اور رعائت کے طور پر پاسپورٹ کی تکلیف دہ قیود سے آزاد کرتے ہوئے ہر دو حکومتوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہر وہ شخص جو ان دنوں لاہور تک جانا چاہے اپنی تین عدد فوٹو لیکر ڈپٹی کمشنرز دہلی جالندھر یا امرتسر کے دفتر سے فارم حاصل کر کے اجازت نامہ حاصل کر سکتا ہے۔ اور اسی اجازت نامہ پر پاکستانی سفارت خانوں کے آفیسر ویزا جاری کر دیں گے۔ چنانچہ اسی سہولت سے ہزارہا ہندوستانی افراد نے فائدہ اٹھایا اور تقسیم ملک کے بعد پہلی بار لاہور دیکھنے کی خواب کو پورا کر سکے ہر دو حکومتوں کے افسران نے اس طریق کار کو اس قدر آسان بنایا تھا کہ یہ عارضی اجازت نامے حاصل کرنے کیلئے کسی پولیس یا محکمہ C.I.D یا کسی اور قسم کی تصدیقی رپورٹ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ اور حکومت کے اعلان کے مطابق ہر کس وناکس کو بلاتمیز مذہب وملت اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کا حق تھا۔ لیکن یہ امر نہایت ہی تکلیف دہ اور افسوسناک ہے کہ قادیان کے ایسے اہم ہندوستانی احمدیوں میں سے معزز افراد کو بغیر کسی وجہ کے اس موقعہ پر لاہور جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ اور اس سہولت سے محروم کیا گیا جو دوسرے تمام لوگوں کے لئے موجود تھی۔

ہمیں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس موقعہ پر غیر مسلموں میں سے ہر قماش کے لوگ لاہور گئے۔ یہاں تک کہ جرائم پیشہ اور دس نمبریوں کو بھی اجازت نامے ملے لیکن جماعت احمدیہ کے جن معزز افراد کو روکا گیا وہ جماعت احمدیہ کے انتہائی ذمہ دار افراد ہیں۔ اور ایسے معزز وجود ہیں کہ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ تحقیق کرنے پر ان کے خلاف کسی قسم کی کوئی بات بھی خلاف قانون ثابت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ان میں سے بعض وجود اور شخصیتیں ایسی ہیں کہ جن کے متعلق اس انداز سے سوچنا بھی ان کی اور جماعت احمدیہ کی توہین کے مترادف ہے۔ حیرت اس امر پر ہے کہ درخواستیں واپس نہیں دی گئیں اور جب مطالبہ کیا گیا کہ انکار کی صورت میں تحریر دی جائے تاکہ ہم اس پر کارروائی کر سکیں تو ایسی تحریرات دینے سے بھی انکار کیا گیا۔ یہ سب کانگرس کے ممبر ہیں۔ اور حکام کو یہ معلوم ہے کہ نیشنل اور صوبائی میونسپل انتخابات میں جماعت احمدیہ کے ووٹ بہت قیمت رکھتے ہیں۔ اور ان کے حصول کیلئے وزراء اور پارلیمنٹری سیکرٹری اور ممبران اسمبلی بھی منت سماجت کیلئے آتے ہیں۔ تمام جماعت ملکی اور قومی خدمات میں پیش پیش ہوتی ہے قومی قرضہ۔ ریڈ کراس۔ ریلیف فنڈ وغیرہ تمام چندوں میں حصہ لیتے ہیں۔ غیر مسلم بیوگان اور یتیم بچوں کی مدد کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں ایسے افراد کے نام درج کرتے ہیں کہ جن کو پرمٹ دینے سے انکار کر دیا گیا۔

۱۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ قادیان (آپ عرصہ دراز سے میونسپل کمشنر ہیں)

۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ابن حضرت امام جماعت احمدیہ

۳۔ مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے ایڈیٹر اخبار بدر (جو کانگرس کے سرگرم ممبر ہیں)

۴۔ مکرم چوہدری فیض احمد صاحب۔ ۵۔ مکرم فضل الٰہی خان صاحب۔ ۶۔ مکرم ملک داؤد بشیر احمد صاحب۔

اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ قادیان کا ایک وفد جناب ڈی سی صاحب امرتسر سے ۳ر جنوری کو ملا۔ تو جو ہمدردی سے پیش آئے لیکن باوجود اسکے محکمہ C.I.D کی غلط فہمی ڈالنے والی کسی خفیہ رپورٹ کی بناء پر لاہور جانیکا اجازت نامہ نہ دے سکے۔ اس سے قبل جماعت احمدیہ کا نمائندہ سردار پورن سنگھ صاحب P.S گورداسپور سے مل چکا تھا اور انہوں نے صاف الفاظ میں اس امر کا اظہار فرمایا تھا کہ ان کو جماعت احمدیہ کے کسی فرد کے لاہور جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دوبارہ جماعت کا وفد جب P.S صاحب سے ملا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ رکاوٹ محکمہ C.I.D کی رپورٹ پر ہوئی ہے تو وہ ان سے عین ان وجوہات کا علم حاصل کریں گے۔ لیکن فوری طور پر کوئی امداد نہیں کر سکتے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ پہلے ہماری جو ڈیڑھ درجن افراد کی باقاعدہ پاسپورٹ کی درخواستیں بعض غیر ذمہ دارانہ خفیہ رپورٹوں کی بناء پر نامنظور ہوئی ہیں۔ ایک پابند قانون اور وفادار جماعت کے افراد کیلئے اس قسم کا سلوک انتہائی طور پر تکلیف دہ ہے ان حالات میں ضلع یا صوبہ اور مرکز کے اعلےٰ افسران کی خدمت میں گزارش ہے کہ جماعت احمدیہ کے جن افراد کیخلاف کسی قسم کی خفیہ رپورٹ ہوا سے کسی ذمہ دار اور انصاف پسند افسر کے ذریعہ پوری تحقیق کرائی جائے تاکہ محض وہم یا بے بنیاد شک کی وجہ سے ایسی مشکلات پیدا نہ ہوتی رہیں۔ نیز کرکٹ میچ کے موقعہ پر جبکہ عارضی اجازت نامہ حاصل کرنے کیلئے دوسروں کے لئے کسی قسم کی رپورٹ کا سوال نہ تھا تو ہماری جماعت کے معزز افراد کے متعلق محکمہ C.I.D سے رپورٹ حاصل کرنے یا رپورٹ موصول ہونے پر جو وجہ رکاوٹ پیدا کرنے کی اور امتیاز سلوک کی ذمہ داری جس پر عائد ہوتی ہو اس کے متعلق بھی مؤثر کارروائی کی جانی نہایت ضروری ہے تا آئندہ کیلئے ایسے تکلیف دہ امور کی روک تھام ہو جائے۔

حضرت کرشن (بقیہ صدا)

سانہ یپن گورو سے ایک ہی پاٹھ شالہ میں تعلیم پائی تھی۔ یہ سداماں نہایت ہی غریب اور مفلس تھا۔ ایک روز اُس کی بیوی نے اُسے کہا کہ آپ اپنے مہربان دوست کرشن جی کے پاس جائیں۔ امید ہے کہ وہ آپ کی بہت کچھ مدد کریں گے۔ سداماں بولا کہ اب وہ مجھ کو کہاں پہچانیں گے اور دربان مجھ کو اُن کے پاس کیونکر جانے دیں گے۔ مگر بیوی کے اصرار پر سداماں سری کرشن جی کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا۔ سداماں کی بیوی نے اپنے پڑوس سے کچھ چاول مانگ لائی۔ اور اپنی پرانی دھوتی کے ایک ٹکڑے میں باندھ دیئے۔ اور کہا کہ دوست کے ہاں خالی ہاتھ جانا مناسب نہیں۔ یہی نذر پیش کر دینا۔ آپ تو محبت کے بھوکے ہیں۔ اُن کو نعمتوں کی کیا کمی ہے۔ سداماں منزل بہ منزل دوارکا پہنچا۔ آہستہ آہستہ ڈیوڑھی تک پہنچ گیا۔ دربان آپ کا نام دریافت کر کے اندر گیا اور سری کرشن کے حضور عرض کرنے لگا :۔

شیش پگا نہ جھگا تن میں نا ہیں جانے کو آئے ہے کوئی گرام
دھوتی پھٹی سی لٹی دپٹی اور پاؤں اُپا نہکی نہیں سامان
دوار کھڑو دو جو دُربل دیکھ رہو چکیسو سدھا ہم راماں
پوچھت دین دیال تیا دت سو یا آپن نام سُداماں
(نسکھ ساگر منڈل)

یعنی اے مہاراج! سر پر پگڑی اور گلے میں قمیص بھی نہیں نہ معلوم کہ کس گاؤں کا رہنے والا ہے۔ پھٹی ہوئی دھوتی اور ننگے پاؤں بے سر و سامان باہر دروازے پر ایک کمزور برہمن کھڑا ہے اور آپ کا پتہ پوچھتا ہے اور اپنا نام سُداماں بتاتا ہے۔

اُسی وقت سری کرشن جی مہاراج آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے دوڑ پڑے۔ جاتے ہی سداماں کو گلے سے لگا لیا۔ سداماں نے آپ کی قدم بوسی کی۔ کرشن جی مہاراج نے بڑی اُلفت سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے سنگھاسن پر بٹھلایا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے پاؤں کی دھوڑ جھاڑی رکمنی جی پانی لے آئیں۔ آپ اپنے پوتر ہاتھوں سے سداماں کے پاؤں دھونے لگے۔ اور اُسے نہلا دُھلا کر نئے کپڑے پہنا کر بڑے تکلف سے کھانا کھلانے لگے۔ اور اُس کے پاؤں میں سے کانٹے نکالتے ہوئے فرمانے لگے :۔

ایسے بحال بوائن سے پگ کنٹک جال لگے پُن جوئے
ہائے مہا دکھ پائیو سکھا تم آئے اِتے نہ کتے دن کھوئے
دیکھ سداماں کی دین دشا کرونا کر کے کرونا نِدھی روئے
پانی پرات کو ہاتھ چھوئیو نہیں نینن کے جل سے پگ دھوئے

(نسکھ ساگر منڈل)

یعنی ہائے افسوس اے میرے پیارے تم نے بہت تکلیف اُٹھائی ہے۔ تم اتنے دن کہاں رہے اور سداماں کی حالت دیکھ کر آپ رونے لگے۔ پرات کے پانی کو نہ چھوا اور آنکھوں کے آنسوؤں سے سداماں کے پاؤں دھو ڈالے۔

اس کے بعد سری کرشن جی نے کہا کہ اے سداماں ہماری بھاوج نے ہمارے لئے کوئی تحفہ بھی بھیجا ہے یا خالی ہاتھ آئے۔ سداماں شرمندگی سے چاول کی پوٹلی چھپانا چاہتا تھا۔ مگر سری کرشن جی نے جھپٹ کر پوٹلی چھین لی۔ اور اُس میں سے دو مٹھی چاول منہ میں ڈال لئے۔ اسی اثنار میں کچھ چاول زمین پر گر گئے۔ سری کرشن مہاراج اُن کو اپنے ہاتھ سے چُننے لگے اور اپنی رانیوں کو کہا کہ ایک ایک چاول کا دانہ اُٹھا کر مجھے دو۔ اور کوئی دانہ پاؤں کے نیچے نہ آئے۔ چاول کھاتے ہی آپ فرمانے لگے۔ جو لطف اور مزا مجھے اس سے حاصل ہوا ہے۔ ویسا آج تک یشودا اور دیوکی کے کھانا سے نہیں ملا۔

سداماں نے کوئی سوال تو نہ کیا۔ لیکن سری کرشن جی نے سب کچھ بھانپ لیا اور چپکے سے وشوکرماں کو حکم دیا کہ تم ابھی سداماں کے گاؤں میں جا کر اُس کے لئے نہایت عمدہ محل بنا کر سب سامان تیار کر دو۔ چند روز بعد سداماں بحالت مایوسی واپس لوٹا۔ اور تھکا ماندہ اپنے گاؤں میں پہنچا تو وہاں اپنی جھونپڑی نہ پا کر حیران و پریشان ہو گیا۔ اتنے میں اس کی بیوی سوشیلا نے آواز دی اور سداماں کو اپنے گھر لے جا کر سارا حال سنایا کہ اس طرح آپ کے جانے کے بعد کرشن جی نے ہمارے لئے قیمتی محل بنوا کر ہمیں مال اور دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ چنانچہ سری گورو ارجن صاحب نے اس واقعہ کا ذکر یوں کیا ہے :۔

بپر سُداما دالد بھنج۔ اے من تو بھی بھج گوبند
(گورو گرنتھ صاحب محلہ ۵ صہ)

یعنی خدا تعالیٰ نے برہمن سداماں کی مفلسی دور کر دی۔ اے دل تو بھی خدا تعالیٰ کا ورد کر

مساوات انسانی

دریودھن کی درخواست پر سری کرشن جی مہاراج ہستناپور میں تشریف لے گئے۔ بھگت بدور جی بھی وہیں رہتے تھے۔ بدور جی کی والدہ نوکرانی تھی۔ اس لئے ان کو داسی سُت یعنی لونڈی زادہ کہہ کر لوگ تحقیر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ویسے بھی آپ بڑے غریب تھے۔ دریودھن نے کرشن جی کے ٹھہرنے کے لئے اپنے محل میں بڑے اہتمام سے تیاری کر رکھی تھی۔ لیکن سری کرشن جی مہاراج نے راجہ دریودھن کے شاہی محل میں ٹھہرنے کی بجائے غریب بدور کے گھر میں قیام کیا اور بدور کے گھر کے ساگ پات کو راجہ دریودھن کی پُر تکلف دعوت پر ترجیح دی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ :۔

دریودھن ہو پاک بنائے
پریت بناں ہو کو نہیں بھائے
بدور بھگت کی پریت جو جانی
باسی ساگ بہت رُچ مانی

یعنی دریودھن نے جو بہت کھانے تیار کروائے تھے۔ اُن میں محبت نہ تھی۔ اس لئے مجھے وہ پسند نہ تھے۔ لیکن بدور بھگت کی محبت جان کر مجھے اُس کا باسی ساگ بہت ہی پسند آیا ہے۔ سری گورو گرنتھ صاحب میں بھی بھگت سری کبیر جی کا شبد یوں مرقوم ہے :۔

راجن کون تمارے آوے۔ ایسو بھاؤ
بدور کو دیکھیو اوہ غریب موہے بھاوے

یعنی سری کرشن جی فرماتے ہیں :۔

اے راجہ کون تمہارے پاس آئے۔ میں نے بدور کی ایسی محبت دیکھی ہے۔ کہ وہ غریب مجھ کو پسند ہے۔ پھر لکھا ہے :۔

تمرے دودھ بدور کو پانو امرت کر من مانیاں
تمہارے دودھ کے بالمقابل بدور کے پانی کو میں نے سمجھا اور پسند کیا۔ اور :۔

کھیر سمان ساگ میں پایا گن گاوت رین بہائی
کھیر کے برابر میں نے بدور کے ساگ کو پایا اور اُس کی تعریف میں رات گذر گئی۔ اور :۔

کبیر کو ٹھاکر آنند بنودی جات نہ کاہوں کی مانی
یعنی کبیر جی کا سوامی خوش باش ہے۔ اُس نے کسی کی ذات کا لحاظ نہیں کیا۔
(راگ مارو بانی کبیر جیو کی گرنتھ صاحب)

کرشن جی مہاراج کی ذات مبارک پر اعتراض کرنے والے ذرا غور آپ کے اخلاق فاضلہ پر نظر ڈالیں۔ کیا اس کی مثال سوائے انبیاء علیہم السلام کے کہیں مل سکتی ہے۔ اس طرح بالمیک کا واقعہ لکھا ہے۔ جب راجہ یودھشٹر نے راجسوی جگ کیا تو اُس نے سری کرشن جی سے پوچھا کہ کس طرح معلوم ہو گا کہ میرا جگ مقبول و منظور ہوا ہے تب سری کرشن جی مہاراج نے فرمایا کہ اسی شہر میں بالمیک نام سو پچ (چنڈال۔ خاکروب) رہتا ہے۔ اس کو بلا کر کھانا کھلاؤ۔ چنانچہ بھیم سین اور ارجن اُس کے بلانے کے لئے گئے اُس نے عرض کی۔ میں تو نیچ ذات ہوں۔ جہاں اور جھلنی بنا کر پیٹ پالتا ہوں۔ میرے جیسے آدمی کو جگ میں لے جا کر کیا کرو گے۔ مجھ کو معاف رکھو لیکن سر دو برادران نے کرشن جی کے ارشاد کے مطابق بہت منت سماجت کی۔ تو بالمیک نے کہا کہ اچھا میں کل صبح کو آؤں گا۔ جب مہاراج کرشن جی کو بالمیک کے آنے کی خبر ملی۔ تو آپ نے نہایت اعلیٰ قسم کے کھانے تیار کروائے۔ جب بالمیک جی آئے۔ تو آپ نے محبت سے اُٹھ کر قدم بوسی کی اور آسن پر بٹھلایا۔ کھانا پیش ہوا۔ بالمیک جی نے تین قسم کی چیزیں نمکین۔ ترش اور میٹھی آپس میں ملا ملا کر کھائیں۔ جب آپ کھانا کھانے کے بعد رخصت ہوئے تو بھی یُدھشٹر کا جگ قبول نہ ہوا۔ جگ کے منظور ہونے کی یہ علامت تھی۔ کہ کرشن جی کے سنکھ سے خود بخود آواز نکلے گی لیکن بالمیک جی کے کھانا کھانے پر بھی دھیمی دھیمی آواز نکلی۔ جب یدھشٹر نے سری کرشن جی سے عرض کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ کسی نے بالمیک کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھ کر کراہت کی ہے۔ دروپدی نے اس بات کو تسلیم کیا کہ میں نے اُن کے سب چیزوں کو ملا کر کھانے سے خیال کیا کہ آخر یہ چنڈال ہی ہے۔ اس کو الگ الگ نعمتوں کے مزہ کی کیا خبر ہے۔ یہ تو لوگوں کی جُوٹھ کھانے والا ہے۔ جن میں سب کھانے مل جاتے ہیں۔ جب سری کرشن جی نے فرمایا کہ بالمیک جی کو دوبارہ لاؤ۔ اور دل و جان سے صفائی کے ساتھ اُن کے قدموں کا دھیان رکھو۔ یہ سُن کر راجہ یودھشٹر خود بالمیک کے گھر گیا۔ اور ہاتھ جوڑ کر تشریف لانے کے لئے عرض کی جب بالمیک جی آئے۔ تو سری کرشن جی نے اُن کو دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر گلے لگا لیا۔ اور راجہ یودھشٹر نے چوکے میں بٹھایا اور پاؤں دھو کر اور وہ پانی اپنے سر اور پیشانی پر لگایا۔ دروپدی نے اپنے ہاتھ سے کھانا اُن کے سامنے رکھا۔ چنانچہ سری گورو گرنتھ صاحب میں بھی بھگت بالمیک جی کی بابت یوں لکھا ہے :۔

بالمیک سُپچارو تریو بدھک تیرے بچارے
(محلہ ۵ صہ)

یعنی بالمیک چنڈال کو نجات مل گئی۔ اور شکاری بچارے کو بھی نجات حاصل ہو گئی

فریضۂ زکوٰۃ کی اہمیت

اور

ماہ نومبر ۱۹۵۴ء کی ضمیمہ فہرست

ماہ نومبر ۱۹۵۴ء میں جماعت احمدیہ سکندر آباد دکن نے سال ۵۳-۱۹۵۲ء کی زکوٰۃ ادا فرمائی ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان مخلصین کے کاروبار اور اموال میں برکت ڈالے۔ نیز انہیں زیادہ سے زیادہ خدمت سلسلہ کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔ (ناظر بیت المال قادیان)

۱۔ مکرمہ محترمہ بیگم صاحبہ حضرت سیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحب	۲۳۸/۸/-
۲۔ مکرم محترم سیٹھ فاضل الہ دین صاحب	۵۴/۱۲/۹
۳۔ مکرمہ محترمہ بیگم صاحبہ سیٹھ فاضل الہ دین صاحب	۱۷۹/۲/۳
۴۔ مکرمہ محترمہ بیگم صاحبہ سیٹھ علی محمدؐ اے الہ دین صاحب ایم۔ اے۔	۶۴/۴/۷
۵۔ " " بیگم صاحبہ سیٹھ یوسف احمدؐ الہ دین صاحب	۶۸/۹/۲
۶۔ مکرم محمد یٰسین الہ دین صاحب	۷/۱۱/۵
۷۔ الہ دین بون مل	۲۲۱/۶/۱۰
۸۔ انجمن ترقیٔ اسلام	۵۷/۳/۵
۹۔ حیدر آباد کیمیکل اینڈ فرٹلائیزرز	۱۰۸/۱۳/۸
۱۰۔ مکرمہ بیگم صاحبہ ایس۔ ایم حسین صاحب	۲۲/۱۲/۲
۱۱۔ مکرمہ بیگم صاحبہ حبیب اللہ خان صاحب	۱۹/۱۱/۵
۱۲۔ مکرمہ بیگم صاحبہ داؤد احمدؐ صاحب عرفانی	۲۶۴/۱۳/۸
۱۳۔ مکرم مولوی محمد عبد القادر صاحب رائچوری	۱۷/۱۰/۱۰
۱۴۔ " منصور احمدؐ صاحب ابن مولوی محمد عبد القادر صاحب	۱۶/۱۱/۵
۱۵۔ مکرمہ زبیدہ بانو صاحبہ بنت " " "	۱۴/۳/۲
میزان	۱۹۷۵/۸/۹

تحریک "سفر امریکہ" میں وصولی فہرست

بابت ماہ دسمبر ۱۹۵۴ء

تحریک سفر امریکہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔ ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کا یہ وہ متوقع سفر ہے۔ جو حضور اپنے علاج وغیرہ کے سلسلہ میں عنقریب اختیار فرمائیں گے۔ ہر دردمند مخلص احمدی کا فرض ہے کہ وہ اس مبارک تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ اور اپنا وعدہ بھجوانے کی بجائے نقد رقم مرکز میں بمد "سفر امریکہ" ارسال فرمائے۔ چنانچہ ماہ دسمبر ۱۹۵۴ء میں جن مخلصین نے اس مد میں رقوم ارسال فرمائی ہیں۔ بغرض دعا ان کے اسماء شائع کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کے کاروبار اور اموال میں برکت دے اور انہیں بیش از بیش حسنات کی توفیق عطا فرماوے آمین۔ (ناظر بیت المال قادیان)

۱۔ مکرم انوار محمدؐ صاحب سیکرٹری مال۔ منجانب جماعت احمدیہ راٹھ سکرا		۲۵/-
۲۔ مکرمہ زینب بی بی صاحبہ اہلیہ ایس۔ ایم یوسف صاحب بمبئی		۵/-
۳۔ مکرم شیخ شعبان صاحب نائب صدر منجانب جماعت احمدیہ موسیٰ بنی مائینز		۲۳/۶/-
۴۔ " سید غلام احمد صاحب سیکرٹری مال " "	سونگڑہ	۹/۱۰/-
۵۔ " مرزا شیر علی بیگ صاحب " "	مانکاگوڑا	۱۰/-
۶۔ جماعت احمدیہ مونگھیر		۵۲/-
میزان		۱۲۵/-

خط وکتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔

قطعۂ تاریخ

وفات حسرت آیات خان بہادر نواب احمدؐ نواز جنگ بہادر

از طبع زاد غلام قادر صاحب شرق بنگلوری

ڈرو خدا سے کرو کام وہ جو کرنے ہیں
کسے خبر ہے کہ کب ہے، وفات کی تاریخ

چلے یہاں سے یکے بعد دیگرے صدہا
نہیں ہے شرط اجل دن رات کی تاریخ

جہان سے اٹھ گیا ایک مرد خدا افسوس
رہیگی باقی اب اُسکے صفات کی تاریخ

تیری وفات کی تاریخ کیا لکھوں محسن
ہے یادگار تیری بات بات کی تاریخ

ہؤا وصال میں جب وصل شاہد مطلق
تھی گویا موت کی شب شب برات کی تاریخ

فنا ہے سبکو کہ ہے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ
لکھائی جائیگی کُل کائنات کی تاریخ

سروش غیب نے فرمایا شرق سے۔ احمدؐ
ہے آج خلد میں داخل۔ وفات کی تاریخ

۱۳۷۴ھ

ہند و پاکستان کرکٹ میچ (بقیہ صفحہ ۴)

پر لاکر ہر دو ملکوں کی سیاسی فضا کو بھی سازگار بنانے کا باعث ہوگی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بھارت سرکار اور ہمارے ہمسایہ ملک پاکستان کے مدبرین اس اہم نقطہ کو سمجھیں جو ہمیں ایک دوسرے سے قریب تر کرنے میں سنگ بنیاد کا کام دے سکتا ہے۔

آخر پر میں سمجھتا ہوں کہ میری یہ ناقدر شناسی ہوگی کہ اگر میں جماعت احمدیہ قادیان کے ناظر امور عامہ جناب شیخ عبد الحمید صاحب عاجز کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی رفاقت میں سرطرح کی سہولت اور آرام کے ساتھ مجھے لاہور کے ہر حصہ کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ہمارے لاہور میں دوران قیام میں محترم عاجز صاحب کے خسر جناب ملک محمد طفیل صاحب نے عین نوازش سے اپنی کار سارا دن ہماری سیر کے لئے وقف کردی۔ اور ان کے نسبتی بھائی عزیز رفیق احمد صاحب نے خندہ پیشانی سے ہمیں ثمن آباد۔ گلبرگ کالونی۔ ماڈل ٹاؤن۔ مال روڈ۔ انارکلی۔ راوی روڈ اور شہر کے ہر قابل دید حصہ کی سیر کرائی۔ اس مختصر عرصہ قیام میں مجھے جماعت احمدیہ لاہور کے سرکردہ افراد سے بھی ملاقات کرانے کا سہرا مکرم عاجز صاحب کے سر ہے۔ خصوصاً واجب الاحترام مرزا شریف احمد صاحب خلف بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ۔ مکرم جناب چوہدری فتح محمد صاحب سیال۔ جناب نواب عباس احمد خان صاحب۔ جناب مولوی عبدالوہاب صاحب عمر خلف جناب حکیم مولوی نور الدین صاحب مرحوم اور جناب چوہدری مظفر علی صاحب کی ملاقاتوں سے ان بزرگ سیرت ہستیوں کے حسن اخلاق سے میں جس قدر متاثر ہوا ہوں ان کا الفاظ میں اظہار کرنے سے قاصر ہوں۔ ان معزز احمدی دوستوں نے صرف اس وجہ سے کہ میں قادیان آیا ہوں۔ میرے ساتھ کمال شفقت اور خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ اور میری اس رنگ میں عزت افزائی کی۔ جس کی یاد کے حسین نقوش ہمیشہ میرے دل میں قائم رہیں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ باوجود ارادہ و کوشش کے میری جناب شیخ بشیر احمد صاحب و جناب چوہدری اسد اللہ خان صاحب سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ کیونکہ وہ بھی مہمانوں کے ساتھ کرکٹ میچ کی وجہ سے غیر معمولی طور پر مصروف تھے۔ لیکن جن احمدی دوستوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ جیسے قیام لاہور کے بہترین لمحے تھے۔ کیونکہ جو وقت کسی اخلاقی یا روحانی مجلس میں بزرگوں کے ساتھ گذرے۔ وہ یقیناً دیگر مشاغل سے زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے۔

ہندوستان و ممالک غیر کی خبریں

کولہاپور۔ یکم فروری۔ ہندو اور جینی دو علیحدہ علیحدہ مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس امر کا اظہار ایک قرارداد میں کیا گیا ہے۔ جو یہاں جین پریشد کے اجلاس میں پاس کی گئی ہے۔ آج کل نہانی میں دکھشن مہاراشٹر جین پریشد کا ۹۴ واں سالانہ اجلاس ہو رہا ہے۔ جو یہاں سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ قرارداد میں کہا گیا ہے۔ کہ ہندو اور جین ایک مذہب سے تعلق نہیں رکھتے۔ قرارداد میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ ایسے قوانین کا جو ہندوؤں پر نافذ ہوتے ہیں جینیوں پر اطلاق نہ کیا جائے۔

لاہور۔ یکم فروری۔ بھارت اور پاکستان کی کرکٹ ٹیموں میں تیسرا ٹیسٹ میچ ہار جیت کے فیصلہ کے بغیر ختم ہوگیا ہے۔ آج پاکستانی ٹیم نے ۵ وکٹوں پر ۱۳۶ دوڑیں بنا کر کھیل ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح بھارتی ٹیم کو جیتنے کے لئے ۲۱۲ دوڑیں درکار تھیں۔ اور صرف ۹۰ منٹ باقی تھے۔ کھیل ختم ہونے تک بھارتی ٹیم نے ۶۹ دوڑیں بنائی تھیں۔ اور اس کے دو کھلاڑی رائے اور پنجابی آؤٹ ہوئے۔ پنجابی نے صرف ایک دوڑ بنائی۔ منجریکر اور گائیکواڑ نے بالترتیب ۲۳ اور ۲۶ دوڑیں بنائی تھیں اور وہ کھیل رہے تھے۔

پاکستان نے اپنی پہلی اننگز میں ۳۲۸ دوڑیں اور بھارتی ٹیم نے ۲۵۱ دوڑیں بنائی تھیں۔

لاہور۔ یکم فروری۔ تقسیم ملک کے بعد ہندو سکھ پہلی دفعہ لاہور کی سڑکوں اور بازاروں میں آزاد گھومتے پھرتے نظر آئے۔ یہ ہندو سکھ جو لاہور میں کرکٹ میچ دیکھنے کے لئے واہگہ کے راستے آئے ہیں۔ آج سارا دن مال روڈ۔ انارکلی۔ نسبت روڈ۔ بیڈن روڈ۔ شاہ عالم مارکیٹ اور شہر کے دوسرے اندرونی حصوں میں سیر کرتے دیکھے گئے۔ بازاروں میں پاکستانی عوام ان کو گھیر کر ان سے بھارت کے عوام کے متعلق پوچھتے رہے۔ کئی جگہوں پر دوکانداروں نے ان مہمانوں کو مٹھائی اور چائے پیش کی۔ بھارت اور پاکستان کے عوام کو زیادہ سے زیادہ قریب لانے کے لئے جو کام سیاست دانوں سے اب تک نہیں ہوسکا وہ دونوں ملکوں کے کھلاڑی سرانجام دے سکتے ہیں۔

ناگپور۔ ۲ر فروری۔ انڈین ایرلائنز کارپوریشن کا ایک ڈکوٹہ ہوائی جہاز جو دہلی آرہا تھا آج صبح تین بجکر ۴۹ منٹ پر ناگپور کے قریب حادثہ کا شکار ہوکر تباہ ہوگیا۔ اور اس میں سوار دس کے دس افراد ہلاک ہوگئے۔ ہلاک ہونے والوں میں ۶ مسافر اور ۴ عملہ کے ممبر تھے۔ ہوائی جہاز ابھی سون گاؤں (ناگپور) کے ہوائی اڈہ سے اڑا ہی تھا۔ کہ اس کے انجن میں خرابی پیدا ہوگئی۔ اور اس کا ایک انجن بند کر دیا گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد کنٹرول سٹیشن کے ساتھ ہوائی جہاز کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ اور دو منٹ بعد یہ حادثہ کا شکار ہوگیا۔ ہوائی جہاز اڈہ سے کوئی ۲½ میل کے فاصلہ پر جاگرا۔ اور زمین پر گرتے ہی ببول کے درختوں سے جا ٹکرایا اور اسے آگ لگ گئی۔ ہوائی جہاز رات کو ڈاک بھی لے جا رہا تھا۔ اور حادثہ کے بعد مسافروں کی جھلسی ہوئی لاشیں۔ ڈاک کے تھیلے اور ہوائی جہاز کا ملبہ جائے وقوعہ کے قریب تین سو سے چار سو گز تک کے دائرے میں بکھرا پڑا تھا۔ ہلاک ہونے والوں میں پارلیمنٹ کے ممبر شری بھاؤ راؤ بورسکر بھی شامل تھے۔

قاہرہ۔ ۲ر فروری۔ مصری وزیر اعظم کرنل ناصر نے بھارت کا دورہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے آپ ایشیائی افریقی کانفرنس سے واپسی پر بھارت کا دورہ کریں گے۔

نئی دہلی۔ ۲ر فروری۔ بھارت میں لوہے اور فولاد کا ایک جدید طرز کا کارخانہ قائم کرنے کے لئے آج نئی دہلی میں بھارت اور روس کی سرکاروں کے درمیان ایک معاہدہ پر دستخط ہوگئے۔ یہ کارخانہ مدھیہ پردیش میں لگایا جائے گا۔ اس پر ایک ارب روپیہ خرچ ہوگا روس ۴۴ کروڑ کی مشینیں اور دیگر سامان مہیا کرے گا۔

تائپیہ۔ ۲ر فروری۔ حکومت کومنتانگ نے اعلان کیا ہے کہ کومنتانگی ہوائی جہازوں نے کمیونسٹ چین کی فوجوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے باوجود آج چینی جزیروں اور تاچن کے علاقہ میں کمیونسٹ فوجی اڈوں پر بمباری کی۔ یہ بمباری کمیونسٹ چین اور کومنتانگی فوجوں میں کل کی شدید بحری اور بری جھڑپوں کے بعد ہوئی۔ کومنتانگ کی وزارت فضائیہ کے ترجمان نے بتایا کہ ہوائی جہازوں نے پے در پے تین مرتبہ یکنانگ شانگ جزیرہ پر کمیونسٹوں کے توپ خانہ پر بمباری کی۔ کمیونسٹ تباہ کن جہازوں اور کشتیوں نے کومنتانگی جزیروں کے گرد مکمل طور پر گھیرا ڈال رکھا ہے۔ جزائر تاچن کی محافظ کومنتانگی فوجیں کمیونسٹوں کے امکانی حملہ کے پیش نظر احتیاطی اقدام کر رہی ہیں۔

امرتسر۔ ۲ر فروری۔ پاکستان ہائی کمشنر راجہ غضنفر علی خاں نے آج امرتسر میں کہا کہ کرکٹ کے تیسرے ٹیسٹ میچ میں لاہور میں ہندوستانی اور پاکستانی جس تپاک سے ملے ہیں۔ اس سے ثابت ہوگیا ہے۔ کہ دونوں ملکوں کے عوام ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اب دونوں ملکوں کی سرکاروں کا فرض ہے کہ اپنے تمام جھگڑے جلد از جلد طے کریں۔

چنڈی گڑھ۔ ۲ر فروری۔ معلوم ہوا ہے کہ ایڈمنسٹریشن کی مرکزیت ختم کرنے کی پالیسی کے پیش نظر امسال پنجاب کے مختلف اضلاع میں مزید ۱۳ سب ڈویژن قائم کئے جائیں گے۔ اضلاع کو سب ڈویژنوں میں تبدیل کرنے کی سکیم ۱۹۵۶ء تک مکمل کرلی جائے گی۔ مالی سال رواں میں ۷ ڈویژن بنائے گئے تھے۔ ۵ ڈویژن پہلے قائم تھے۔ ایڈمنسٹریشن کی مرکزیت ختم کرنے کی سکیم کے ماتحت سب ڈویژنل افسروں کے اختیارات بڑھا دیئے گئے ہیں۔ اور تحصیلدار وغیرہ براہ راست ان کے ماتحت کر دیئے گئے ہیں۔